تصنیف
مفتی محمد جلال الدین قادری

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ
کا نظریۂ تعلیم
تصنیف
محقق اسلام مفسر قرآن حضرت علامہ
مولینا مفتی محمد جلال الدین قادری قدس سرہ العزیز
جامعہ اسلامیہ کھاریاں

ISBN ———— 9691-00-3

نام کتاب.................امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم

تصنیف.....................مفتی محمد جلال الدین قادری علیہ الرحمہ

سرپرستی.....................مفتی محمد علیم الدین نقشبندی مدظلہ

تصحیح.....................مفتی محمد محمود احمد

کمپوزنگ.....................محمد عارف

صفحات.....................240

سن اشاعت.....................2012ء

ہدیہ.....................

باہتمام

قاضی محمد سعید احمد نقشبندی

مہتمم جامعہ اسلامیہ، جی ٹی روڈ کھاریاں

آئینہ

گرامی عزت والد ماجد حضرت قبلہ مولانا خواجدین مجددی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی پُرخلوص دعاؤں کے ساتھ..........

قدوۃ العلماء الراسخین، زبدۃ الاولیاء الکاملین، استاذی ومرشدی ذخری لیومی وغدی حضرت شیخ الحدیث ابوالفضل محمد سردار احمد رضی عنہ مولاہ الصمد

محدثِ اعظم پاکستان

کی بارگاہ میں

اس کتاب کو پیش کرتا ہوں

گر قبول افتد زہے عز و شرف

بادشاہا شکرِ سلطانی خویش
یک نگاہے برگدائے سینہ ریش

محمد جلال الدین قادری

اظہارِ تشکر

حدیثِ نبوی مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ کی ہدایت کے مطابق یہ احقر ان حضرات کا صرف تذکرہ کرتا ہے، جنہوں نے اس مقالہ کی تدوین و ترتیب میں معاونت فرمائی۔

☆ ناشرِ رضویت حکیم محمد موسیٰ امرتسری
بانی و صدر مرکزی مجلسِ رضا لاہور

☆ مولانا مفتی محمد علیم الدین مجددی، کھاریاں

☆ ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ (سندھ)

☆ مولانا اسد نظامی (چک ۱۱۴/R۱۰ جہانیاں)

☆ شیخ الحدیث مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری (لاہور)

☆ جناب محمد ظہور الدین خاں (لاہور)

☆ جناب ملک محمد ایوب (جرموٹ کلاں، جہلم)

فجزاھم اللہ احسن الجزاء

فقیر قادری محمد جلال الدین عفی عنہ

کھاریاں

۱۹ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

تقدیم

آج سے کم وبیش سولہ سال قبل وہ دن کس قدر مبارک ہوگا جب مرکزی مجلسِ رضا لاہور کا قیام عمل میں آیا۔ یوں نصف صدی بعد پہلی بار اہلِ سنت نے کتاب کی اہمیت کو محسوس کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کئی ایک اشاعتی ادارے وجود میں آگئے، اور سنی لٹریچر کے فقدان میں کمی ہوتی چلی گئی۔ درحقیقت یہ مجلسِ رضا کی تحریک کا فیضان تھا۔ اس انقلاب کے حوالے سے حکیمِ اہلِ سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری (بانی وسرپرستِ اعلیٰ مرکزی مجلس رضا رجسٹرڈ) کی خدمات قابلِ تحسین ہیں۔

مرکزی مجلسِ رضا رجسٹرڈ لاہور کی تشکیل کے جو مقاصد متعین کئے گئے، ان میں مجدد الامہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کی حیات، تعلیمات، خدمات اور دیگر علمائے اہل سنت کی تصانیف کی وسیع پیمانے پر اشاعت سرِ فہرست تھی۔ اس لئے اشاعتِ کتب (بلا قیمت) کو اولیت دی گئی۔

مجموعی طور پر اب تک تین لاکھ ستائیس ہزار کتابیں مختلف زبانوں (عربی، اردو، انگریزی، پشتو اور سندھی) میں طبع کرا کے اطراف واکنافِ عالم میں پہنچائی جا چکی ہیں۔ ان میں سے بیشتر کتابوں کے تین تین چار چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ بعض کتابوں کے اس سے بھی زیادہ ایڈیشن نکلے۔ خصوصاً.........

☆ محاسن کنز الایمان' ۱۱ مرتبہ (تعداد ۲۹ ہزار)
☆ فضائلِ درود وسلام' ۱۴ مرتبہ (تعداد تیس ہزار)
☆ خاکِ حجاز کے نگہبان' ۳ مرتبہ (۱۳ ہزار)......شائع ہوئیں۔

☆ کنز الایمان کے خلاف سازش اور اس کا مثبت جواب'' تو پہلی مرتبہ ہی دس ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی۔

یہ انقلابی سلسلہ آج بھی پورے التزام کے ساتھ جاری ہے۔ زیرِ نظر کتاب اس سلسلے کی باسٹھویں کڑی ہے۔

مرکزی مجلس رضا کی اس تحریک کے اثرات کسی خاص علاقہ تک محدود نہیں رہے، بلکہ ان کا دائرۂ کار دنیا بھر کے اہلِ قلم پر محیط ہے۔ اس بات کا اندازہ مجلس کو موصول ہونے والے خطوط سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بے پناہ فضل وکرم اور حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی بے کراں رحمت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ مجلس اپنے بنیادی اشاعتی پروگرام میں تسلسل برقرار رکھتے ہوئے اپنے قائم کردہ ذیلی شعبوں پر بھی بھرپور توجہ دے رہی ہے۔

تین ماہ کی مختصر مدت میں مسجد رضا واقع محمدی سٹریٹ چاہ میراں لاہور کی تعمیر اور تزئین وآرائش کی تکمیل مجلس رضا کا کوئی کم کارنامہ نہیں، کہ جسے معمولی سمجھ کر نظر انداز کردیا جائے۔

شیخ العرب والعجم شاہ ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی خلیفہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہما کے نام پر قائم مدرسہ ضیاء الاسلام واقع مسجد رضا میں اس وقت دوصد سے زائد بچے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کررہے ہیں۔

نادار مریضوں کو مفت طبی امداد مہیا کرنے کی خاطر مسجد رضا سے ملحق رضا فری ڈسپنسری عرصہ دوسال سے مصروفِ کار ہے، جہاں روزانہ کثیر التعداد مریض علاج کی غرض سے آتے ہیں اور جسمانی بیماریوں سے شفا پاتے ہیں۔

مسجد رضا میں واقع رضا لائبریری سے پڑھے لکھے لوگ فکری عوارض سے شفایاب ہوتے ہیں اور عامۃ الناس لاعلمی کے اندھیروں سے نجات حاصل کرتے ہیں۔

کچھ کتاب کے بارے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ چودھویں صدی کے مجددِ برحق تھے، یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ جس پر علمائے حرمین شریفین، پاک وہند ودیگر بلادِ اسلامیہ بیک زبان رطب اللّسان ہیں۔ (۱)

اگر ہم تاریخ کے اوراق پلٹتے ہوئے آج سے پون صدی قبل کے مجموعی ماحول پر نگاہ دوڑائیں تو ہر طرف ملتِ اسلامیہ کے بنیادی اعتقاد اور اجتماعی مفاد کے خلاف سازشوں کے جال بکھرے نظر آتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "چودھویں صدی کے مجدد" مصنفہ ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ (تقدیم وتحشیہ مولانا محمد جلال الدین قادری) طبع مکتبہ رضویہ لاہور۔ بار اول

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

(i) تقدیس الوکیل (مقدمہ) علامہ اقبال احمد فاروقی۔ طبع لاہور

(ii) حیات صدر الافاضل، مرتبہ حکیم سید غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمۃ۔ طبع لاہور

(iii) افاضات صدر الافاضل، مرتبہ حکیم سید غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمۃ۔ طبع لاہور

(iv) مذاہب الاسلام، مصنفہ حکیم نجم الغنی رامپوری۔ طبع لاہور

(v) رسائل رضویہ (جلد دوم) مرتبہ عبد الحکیم خاں اختر شاہجہانپوری۔ طبع لاہور

(vi) ا الارم الہندیہ (مقدمہ) مرتبہ عبد الحکیم خاں اختر شاہجہانپوری طبع ساہیوال

(vii) تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔ طبع لاہور

(viii) گناہ بے گناہی، مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔ طبع کراچی

(ix) نور و نار، مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔ طبع کراچی

(x) علماان پالیٹکس (انگریزی) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

یہی وہ حالات تھے جن میں امام احمد رضا قدس سرہ پوری مجددانہ شان و شوکت، مصلحانہ جاہ وجلال اور حکیمانہ تدبر و فراست کے ساتھ میدان عمل میں تشریف لائے۔ اساسِ ایمان عشقِ رسول ﷺ کو مسلمانوں کے دل و دماغ سے محو کر دینے والی ہر نام نہاد اصلاحی تحریک، تنظیم، تحریر اور تقریر کا اپنی تیغ قلم سے قلع قمع کیا اور مسلمانوں کی فلاح و کامرانی کو صرف اور صرف غلامئ رسول ﷺ سے وابستہ قرار دیا۔

جناب میاں عبدالرشید (کالم نگار نور بصیرت) رقمطراز ہیں۔

"برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کو سیاسی خودکشی سے بچانے اور ان کے ایمان کو اندرونی اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کے سلسلہ میں حضرت احمد رضا خاں بریلوی نے جو گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں وہ لائقِ صد ستائش ہیں۔" (۳)

برٹش گورنمنٹ نے اپنے اقتدار کو استحکام بخشنا چاہا تو عیسائیت کی تبلیغ اور اپنی ثقافت کی ترویج کو ضروری سمجھا۔

پسلی پھڑک اٹھی نگہ انتخاب کی

لہٰذا شعبہ تعلیم کو مشرف بہ عیسائیت کرنے کی سوجھی..... خاتم الحکماء، شہیدِ آزادی حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی نور اللہ مرقدہ، تحریر فرماتے ہیں۔

"انہوں (انگریزوں) نے بچوں اور نافہموں کی تعلیم اور زبان و دین کی تلقین کے لئے شہروں اور دیہات میں مدرسے قائم کئے۔ پچھلے زمانے کے علوم و معارف اور مدارس و مکاتب کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔" (۴)

---

(۳) پاکستان کا پسِ منظر اور پیشِ منظر، از میاں عبدالرشید۔ ص ۱۱۵۔ طبع پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۸۲ء

(۴) الثورۃ الہندیہ، مصنفہ خاتم الحکماء علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۲۵۵۔ مکتبہ قادریہ لاہور

اس بات کی تصدیق لارڈ میکالے کے ان الفاظ سے کی جا سکتی ہے۔

''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق، رائے، زبان اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔'' (۵)

اس پروگرام کے مضمرات کو امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی دوررس نگاہوں نے بھانپ لیا۔ چودھویں صدی کے مجدد برحق ہونے کی حیثیت سے دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح تعلیم وتدریس کے شعبہ میں بھی تجدید واصلاح کی طرف توجہ فرمائی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظامِ تعلیم کے تحت فارغ التحصیل ہونے والے ماہرینِ تعلیم کے مذموم عزائم کو طشت از بام کیا۔ ان کے مرتبہ نصابِ تعلیم اور طرزِ تعلیم کو مسترد کرتے ہوئے احکامِ قرآن وحدیث اور ارشاداتِ صلحائے امت پر مبنی نصابِ تعلیم، طرزِ تعلیم اور ذرائع تعلیم کا برملا اظہار فرمایا۔ اس ضمن میں آپ کے فرمودات رہتی دنیا تک مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کی تفصیلات آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے بی۔ ایڈ اور ایم۔ ایڈ کے امتحانات میں مجدد الائمہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کے تعلیمی نظریات سے متعلق مقالات کی تیاری میں ایک رہنما کتاب کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ حکیم اہلِ سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے اس ضرورت کو محسوس فرماتے ہوئے شعبہ تعلیم سے منسلک محقق اور مؤرخ جناب محمد جلال الدین قادری کو اس طرف متوجہ کیا۔ سو ان کی تحقیق وجستجو ''امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم'' کی صورت میں آپ کے پیشِ نظر ہے۔

(۵) باغی ہندوستان (مقدمہ) از عبد الشاہد خاں شروانی۔ ص ۱۶۱۔ طبع لاہور

محترم قادری صاحب جس محنت اور لگن کے ساتھ اس منفرد اور دقت طلب موضوع پر منتشر مواد کو یکجا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں، اس پر انہیں بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اس کتاب کی علمی افادیت کے پیشِ نظر یہ مطالبہ بے جا نہ ہوگا کہ پنجاب یونیورسٹی اسے بی۔ ایڈ اور ایم۔ ایڈ کے متعلمین کے لئے ایک رہنما کتاب (Refrence Book) قرار دے۔

فاضل مصنف کی یہ گرانقدر تحقیق اس موضوع پر حرفِ آخر نہیں بلکہ نقطہ آغاز کا درجہ رکھتی ہے۔ ہم بجا طور پر اہلِ علم اور ماہرینِ تعلیم سے اس موضوع پر مزید کام کی توقع رکھتے ہیں۔ مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ) لاہور ان کی تحریری کاوشوں کا خیر مقدم کرے گی اور انہیں شائع کرنے میں فخر محسوس کرے گی۔

کچھ مصنف کے بارے میں

ضلع گجرات کی تحصیل کھاریاں میں ایک گاؤں ''چوہدو'' نام کا واقع ہے۔ اسی گاؤں کی ایک درویش منش شخصیت مولانا خواج دین کے ہاں یکم جمادی الاخری ۱۳۵۷ھ بمطابق ۲۹ جولائی ۱۹۳۸ء کو ایک بچہ پیدا ہوا، جو آگے چل کر دنیائے علم وادب میں ایک خاص مقام کا مالک ہوا۔ (٦)

میری مراد اس سے جناب محمد جلال الدین قادری کی ذات ہے، جو کہ زیرِ نظر کتاب کے مصنف ہیں۔ آپ بیک وقت منجھے ہوئے ماہرِ تعلیم، مایہ ناز ادیب، حق گو محقق اور دیانت دار مؤرخ کے حوالے سے اہلِ علم میں جانے پہچانے جاتے ہیں۔ دینی و دنیاوی تعلیم سے آراستہ اور نابغۂ روزگار اکابر سے فیض یافتہ ہیں۔ (٧)

---

(٦) افسوس کہ حضرت مولانا خواج دین مجددی ۱۰ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ کو سوئے جنت کوچ فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ان کے انتقال سے علاقہ ایک سادگی کے پیکر، درویشی کے مرقع، تقویٰ کی علامت، رزقِ حلال کے خوگر، صائم الدہر اور قائم اللیل راسخ العقیدہ مسلمان سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا۔ مہجور

(٧) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مضمون سید عبد اللہ قادری مشمولہ ہفت روزہ ''الہام'' بہاولپور ۲۸ جولائی ۱۹۸۳ء

ذہانت کا یہ عالم ہے کہ صرف اڑھائی سال میں درسِ نظامی سے فراغت حاصل کی۔ آج کل (۱۹۸۴ء) گورنمنٹ ہائی سکول کھاریاں میں طلباء کا مستقبل سنوارنے میں مصروف ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ تحقیق و تحریر کی شمعیں بھی روشن رکھے ہوئے ہیں۔ جن کے چراغاں سے لاعلمی کے اندھیرے کافور ہو رہے ہیں، اور تاریخ کے دامن پر سے بد دیانتی کے داغ مٹتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کتاب کے علاوہ مزید کئی ایک موضوعات پر گرانقدر کتابیں تحریر کر چکے ہیں۔ ان کے تحقیقی کارناموں کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

مطبوعہ

۱ امام احمد رضا اکابر کی نظر میں ۱۹۷۶ء۔ طبع سرائے عالمگیر۔ گجرات

۲ اسلامی تعلیمی پالیسی پر ایک نظر ۱۹۷۷ء۔ طبع سرائے عالمگیر۔ گجرات

۳ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۷۸ء۔ طبع لاہور

۴ ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست ۱۹۸۰ء۔ طبع لاہور

۵ چودھویں صدی کے مجدد (تقدیم و تحشیہ) ۱۹۸۱ء۔ طبع لاہور

۶ جمعیت العلماء ہند اور احرار کے نام کھلی چھٹی (تقدیم) ۱۹۸۱ء، طبع لاہور

۷ امام احمد رضا کا نظریۂ تعلیم ۱۹۸۴ء۔ طبع لاہور

غیر مطبوعہ

۱ معین القضاۃ (فقہ) ۱۹۶۲ء

۲ ترجمہ خطبات الرضویہ ۱۹۶۲ء

۳ سیرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ۱۹۶۳ء

۴ حدیثِ تلقین کی توضیح وعلمِ حدیث۔ ۱۹۶۴ء

۵ ترجمہ فتوحاتِ مکیہ ابنِ عربی جلد اول (نصف) ۱۹۷۰ء

۶ تحریکِ پاکستان کے سنی علماء ومشائخ۔ ۱۹۸۱ء

۷ علامہ فضلِ حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ ۱۹۸۱ء

۸ مکاتیب حکیم محمد حسین بدرؔ (ترتیب وتقدیم) ۱۹۸۲ء

زیر طباعت

۱ خلفائے امام احمد رضا مرتبہ محمد صادق قصوری (نظر ثانی مع اضافات وتقدیم) ۱۹۸۰ء

۲ مفتیِ اعظم، سیرت وکردار۔ ۱۹۸۰ء

۳ ختم نبوت اور علماء برصغیر۔ ۱۹۸۰ء

۴ محدثِ اعظم، سوانح وسیرت ۱۹۸۰ء

۵ گاندھی سے اندرا گاندھی تک ۱۹۸۰ء

۶ تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس۔ ۱۹۸۰ء

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل مصنف کی عمر میں اضافہ اور علم میں برکت عطا فرمائے اور وہ اسی طرح قلم کی روانی اور تحقیق کی فراوانی سے اہلِ حق کے تحقیقی لٹریچر میں اضافہ فرماتے رہیں .... ایں دعا از من وجملہ جہاں آمین باد

احقر سید عارف محمود مہجورؔ رضوی

حویلی بوٹے شاہیاں۔ محلہ خواجگان۔ گجرات

۲۳ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ بمطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

حروفِ اولین

اسلام کا تعلیمی ارتقاء

تعلیم ہی وہ بنیاد ہے جس پر نوعِ انسانی کے ارتقاء کا دارومدار ہے۔ یہی وجہ ہے کے سرکارِ دوعالم ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی کا پہلا لفظ ہی اقرأ تھا۔ جاہلی رسموں میں گندھے ہوئے ماحول میں اسلام نے علم و تعلیم کا ایسا تصور پیش کیا جس نے وحشیوں کو متمدن بنایا، جاہلوں کو معلم بنایا، راہزنوں کو راہ نما بنایا، چرواہوں کو حکمراں بنایا اور غلاموں کو سلطان بنا کر آقائی کے گر سکھا دیئے .... صحرائے عرب کے وہی لوگ جو علم کے نام سے بھی واقف نہ تھے، وہی زمانے میں علم و حکمت کے امام بنے۔ جو کل تک ایک دوسرے کے گلے کاٹنا باعثِ افتخار سمجھتے تھے، اخوت ان پر نثار نظر آنے لگی۔ جہاں ہر سو قتل و غارت کی چنگاریاں تھیں، وہاں امن و آشتی کے گلاب دکھائی دینے لگے۔ جہاں ظلم و بربریت کا دور دورہ تھا، وہیں عدل و انصاف کے چرچے ہونے لگے۔ جہاں حسد و کدورت کے اندھیرے تھے، وہیں الفت و محبت کے چراغ روشن ہونے لگے۔ جو بادیہ نشین نوشت و خواند سے بھی نابلد تھے، وہی علم و حکمت کا استعارہ بنے...... یہی لوگ سیاستداں بھی ہوئے اور حکمراں بھی، قاضی بھی ہوئے اور قانون داں بھی، سپہ سالار بھی ہوئے اور عفت شعار بھی...... یہ اسی نظریۂ تعلیم کا اثر تھا کہ صرف دو دہائیوں میں دو تہائی دُنیا ان کے سامنے سرنگوں ہو چکی تھی اور وقت کی عظیم طاقتوں کے تاج ان کے قدموں کی ٹھوکر پر تھے۔

یہ معلمِ کائنات کی اس حسین تعلیم و تربیت کی برکت تھی کہ صرف تئیس سال کی مختصر

مدت میں نہ صرف جزیرۂ عرب انقلاب آشنا ہوا، بلکہ خطۂ عجم کی بھی کایا پلٹ گئی۔ پوری دنیائے انسانیت کے لیے رشد وہدایت کے ایسے چراغ روشن ہوئے جن کی ضیاء پاشیوں سے آج بھی انسانیت مستفید ہورہی ہے۔

اکابرین امت کی علمی خدمات

بارگاہِ نبوت سے فیض یافتہ ان اکابرینِ امت نے فروغِ علم کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ یہ علمائے امت ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک مُلک سے دوسرے مُلک سفر کرتے اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنے میں اپنا کردار ادا کرتے۔ ان کے سامنے نہ تو سفر کی صعوبتیں رکاوٹ بنیں، نہ غربت وافلاس..... نہ بھوک ان کے قدم روک سکی، نہ پیاس..... نہ تو گرمی کی شدت سے تھکاوٹ محسوس کرتے اور نہ ہی سردی کی شدت سے اکتاہٹ محسوس کرتے..... پگھلے جسم، پراگندہ بال، پھٹے کپڑے، خالی پیٹ، خشک ہونٹ اور اُتری ہوئی رنگت والے یہ علم کے شیدائی بس اسی دھن میں تھے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ابدی وآفاقی پیغام کو عام سے عام تر کیا جائے۔ ہر قوم، ہر نسل، ہر قبیلہ، ہر برادری بلکہ ہر شخص تک یہ گلدستۂ نور پہنچایا جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں صحراؤں کو عبور کیا، پہاڑوں کے سینے چاک کیے، براعظموں کے فاصلے سمیٹے اور مصائب وآلام کو خندہ پیشانی سے قبول کر کے انسانیت کو ایک نئی راہ پر گامزن کردیا۔

علمی مراکز

جوں جوں مسلمان آگے بڑھتے گئے، علم پھیلتا گیا، جہالت کی تاریکیاں چھٹتی گئیں۔ حرمین شریفین کے بعد کوفہ، بصرہ، دمشق، حلب، بغداد، قرطبہ اور غرناطہ جیسے علمی مراکز قائم

ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب پوری دنیا کی زمامِ قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، امتِ مسلمہ کا قد اتنا بلند تھا کہ قیصر و کسریٰ بھی اسے جھک کر ملتے تھے اور سلطنتِ اسلامیہ کا سایہ اتنا گھنا تھا کہ کئی براعظم اس کی چھاؤں میں سکون پاتے تھے۔

پھر کیا ہوا؟ یہ داستاں طویل بھی ہے اور دلدوز و جانکاہ بھی۔ ہمیں سر دست اتنا ہی کہنا ہے کہ حالات نے پلٹا کھایا، اسلام دشمن طاقتوں نے اس علمی کارواں کو روکنے کے لیے ہزار جتن کیے، اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے، خون کی ندیاں بہائیں، حفاظ و قراء کو شہید کیا، علماء و فضلاء کو تہہِ تیغ کیا، اکابرینِ امت کی گردنیں اتار کر کھوپڑیوں کے مینار بنوائے، تاتاریوں کے ہاتھوں بصرہ اور بغداد تباہ ہوئے، علمی مراکز کی اینٹ سے اینٹ بجائی گئی، بیت الحکمت کے بیش بہا علمی خزانے جلا کر خاک کر دیئے گئے۔(۱) سب کچھ ہوا مگر اس شاندار علمی کارواں

(۱) یہ عظیم سانحہ تاتاریوں کے ہاتھوں رونما ہوا، ان وحشی صفت انسانوں نے عالمِ اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجادی، انسانی لاشوں اور بکھرے سروں پر وہ یوں چلتے جیسے کوئی ہموار زمین پر چلتا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں عالمِ اسلام ایک ایسے قبرستان کی صورت اختیار کر گیا جس پر ہر سو خاموشی اور سناٹا طاری ہو۔ اس دہلا دینے والے واقعہ کے مناظر جب بھی تاریخ میں سامنے آتے ہیں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ مؤرخین اسے جب لکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں اشکبار اور دل بے قابو ہے، شاید وہ دل پر پتھر رکھ کر بادلِ نخواستہ اسے تحریر کر رہے ہیں۔ ورنہ اسے بیان کرنے کی بجائے انہیں موت ہی بھلی ہے۔
معروف مورخ ابن اثیر جزری کے وہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں جن میں ان کے قلبی جذبات کی صحیح عکاسی ہوتی ہے، فرماتے ہیں:۔
میں کئی سال تک یہ حادثہ کے بیان کرنے کو مؤخر کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ آخر کن الفاظ میں اس واقعہ کا ذکر کروں؟ کبھی کمر ہمت باندھتا اور پھر ٹال دیتا۔ آخر کس کا دل ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی ایسی موت کی خبر دینے پر ساتھ دیتا ہو؟ اور کون ہے جو آسانی سے اسے بیان کر سکتا ہو؟ میری اس تحریر کے وقت گویا حالت یوں تھی...... مرا اے کاش کہ مادر نہ زادے...... کاش کے میری ماں مجھے پیدا ہی نہ کرتی۔ یعنی اسے بیان کرنے سے پہلے ہی مجھے موت آجاتی۔
ان روح فرسا مناظر سے بڑے بڑے صاحب ہمت بھی حوصلہ ہار گئے اور اسلام کی حیاتِ نو سے نا اُمید ہو گئے۔ مگر عالمِ اسلام کی وہ جلیل القدر شخصیات جو علمی امانتوں کی صحیح امین تھیں، لاشوں کے ملبہ، مایوسی کے چھائے ہوئے گرد و غبار اور خوف و ہراس کے امڈتے ہوئے طوفان سے تازہ دم ہو کر پھر نکلیں اور نئے جذبہ کے ساتھ میدانِ عمل میں آکر اپنا سفر پھر سے شروع کر دیا۔

کا راستہ نہ روکا جاسکا۔ عالمِ اسلام کے بچے کھچے علماء نے ایسے نازک حالات میں بھی صفہ سے شروع ہونے والی فروغِ علم کی اس تحریک کو سنبھالا دیا اور خوارزم، فرغانہ، ہرات، غزنی، سمرقند، بخارا، مراکش اور تیونس میں مزید علمی مراکز قائم کر دیئے۔ (۲)

ہندوستان میں تعلیمی ادارے

اکابرینِ امت کے علمی انہماک کی بدولت دیئے سے دیا جلتا رہا اور علم کا نور بٹتا رہا۔ تعلیم عام ہوتی رہی اور معاشرے کی حالت سدھرتی رہی۔ عالمِ اسلام پر علماء کی ان مساعیِ جمیلہ کے جو اثرات مرتب ہوئے وہ تاریخ کا سنہری باب ہیں۔ سردست صرف ہندوستان میں اس شاندار علمی تحریک کے حیرت انگیز نتائج کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

☆ دلی میں علمی مراکز کی تعداد بیان کرتے ہوئے قشقلندی لکھتے ہیں۔

فِيْهَا اَلْفُ مَدْرَسَةٍ وَّاحِدَةٌ لِّلشَّافِعِيَّةِ وَ بَاقِيْهَا لِلْحَنَفِيَّةِ.

دلی میں ایک ہزار مدارس تھے جن میں سے ایک شوافع کا اور باقی سب احناف کے تھے۔ (۳)

---

(۲) یہ ہمارے وہ اکابرین تھے جن کی رگ رگ میں جذبہ عمل کی بجلیاں کوندرہی تھیں۔ یہی وہ پاک باز وصالح علماء تھے جن کے ہاتھوں پر تاتاریوں نے ہی اسلام قبول کرلیا۔ اور پھر یہی تاتاری چار دانگِ عالم میں اسلام کے ترجمان بھی بنے اور مسلمانوں کے محافظ و پاسباں بھی۔

(۳) صبح الاعشی از قشقلندی ج ۵ ص ۶۹، بحوالہ برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت ص ۳۴۴

ان مدارس کی کیفیت جاننے کے لئے معروف ماہر تعلیم مسز طاہرہ منہاس کی صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب "مثالی نظامِ تعلیم" کا یہ اقتباس مفید مطالعہ رہے گا۔

یہ مدارس معمولی قسم کے مدارس نہ تھے۔ بلکہ ان میں سے ایسے ایسے مدارس بھی تھے جو آج کی بہت سی یونیورسٹیوں سے بھی زیادہ عظیم تھے۔ دلی کے مدرسہ فیروز شاہی کے بارے میں مشہور مؤرخ ضیاء برنی کا یہ قول قابلِ نقل ہے:۔

دلی کا یہ مدرسہ اپنی شان وشوکت، خوبیِ عمارت، محلِ وقوع، حسنِ انتظام اور تعلیم کی عمدگی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ممکن ہے کسی کو یہ بیان پڑھ کر حیرت ہو اور یہ خیال ابھرے کہ شاید قشقلندی نے مدارس کی تعداد بیان کرتے ہوئے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے علمی مراکز کی کثرت بیان کرنے کے لیے مسلمان مؤرخین کے بیان کی بجائے انگریز مؤرخین کی شہادتیں پیش کی جائیں۔ یاد رہے کہ یہ اس قوم کے نمائندے ہیں جس قوم نے اس خطہ سے اسلامی نظام تعلیم کو دیس نکالا دینے کے لیے سرتوڑ کوششیں کی ہیں۔ ان سے بڑھ کر یہاں کے علمی مراکز کی تعداد کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟

☆ ایک یورپین سیاح الگزنڈر ہملٹن کا بیان ہے کہ:۔

> اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ کے زمانے میں سندھ کے شہر ٹھٹھہ میں مختلف علوم و فنون کے چار سو ادارے تھے۔ (۴)

☆ اسی دور کے متعلق ایک اور انگریز مؤرخ مکس مولر کا بیان ہے کہ

> صرف بنگال میں اسی ہزار ادارے موجود تھے۔ (۵)

☆ عیسائی مشنری ولیم آدم کا تجزیہ بھی ملاحظہ ہوں:۔

بنگال اور بہار میں ایک لاکھ علمی مراکز تھے گویا ہر چار سو افراد کے لیے ایک تعلیمی ادارہ قائم تھا۔ (۶)

(بقیہ ۳) کے لحاظ سے بینظیر ہے۔ مصارف کے لئے شاہی وظائف مقرر ہیں۔ پایۂ تخت دلی کی کوئی عمارت حسن تعمیر اور موقع و محل کے اعتبار سے "مدرسہ فیروز شاہی" کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مدرسہ کی عمارت بہت وسیع ہے اور ایک بہت بڑے باغ کے اندر تالاب کے کنارے واقع ہے۔ ہر وقت سینکڑوں طلبہ اور علماء و فضلاء یہاں موجود رہتے ہیں۔ طلبہ و اساتذہ کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ باغ کے کنجوں میں سنگِ مرمر کے فرش پر (طلبہ) نہایت آزادی کے ساتھ علمی مشاغل میں منہمک نظر آتے ہیں...... مثالی نظامِ تعلیم ص ۱۳۱، ۱۳۲

(۴) مقدمہ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص ۲۶
ہندوستان عالمگیر کے عہد میں از نواب مرزا یار جنگ / بحوالہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص ۳۴۴

(۵) مقدمہ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص ۶۲ (۶) مثالی نظام تعلیم از مسز طاہرہ منہاس ص ۱۴۱

مفت تعلیم

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ہندوستان میں جب اسلامی نظام تعلیم رائج تھا تو مدارس کی اتنی کثیر تعداد کے باوجود تعلیم ہمیشہ مفت رہی۔ تاریخ کے کسی دور میں بھی، مسلمان اہل علم کے حاشیہ خیال میں بھی، کبھی یہ تصور تک نہ ابھرا کہ علم بھی کوئی خریدی یا بیچی جانے والی شے ہے (کہ جو پڑھنا چاہتا ہو وہ پہلے حصول علم کے لیے بھاری بھرکم فیسیں جمع کروائے پھر وہ علم حاصل کرے) یہ تصور خالصۃً مغرب کی مادہ پرستانہ ذہنیت کی کاسی کرتا ہے۔

اسلامی نظام تعلیم کی یہ خاصیت تھی کہ حصولِ علم کے لیے ان علمی مراکز کے دروازے ہر خاص و عام کے لیے کھلے تھے۔ امیر و غریب اور مقیم و مسافر سب ہی علم حاصل کرنے کے لئے آتے اور اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق ان مدارس سے فیض یاب ہوا کرتے تھے۔ مسلمان امراء، سلاطین، زمیندار اور صاحبِ حیثیت لوگ ان کے مصارف میں دلچسپی لیتے، ان کے انتظام و انصرام کے لیے اپنی املاک وقف کرتے اور ان کی ضروریات کے لئے دل کھول کر خرچ کرتے تھے۔

☆ مولانا غلام علی آزاد اپنے صوبہ اودھ کے متعلق لکھتے ہوئے اس حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں:۔

پورے صوبہ اودھ اور صوبہ الہ آباد کے بڑے بڑے حصے میں پانچ پانچ کوس، زیادہ سے زیادہ دس دس کوس کے فاصلے پر شرفاء اور اعلیٰ خاندان کے لوگوں کی آبادی ہے، جو سلاطین و حکام کی جانب سے مددِ معاش کیلئے تنخواہ اور جاگیر رکھتے ہیں۔ انہوں نے مساجد، مدارس

اور خانقاہیں تعمیر کر رکھی ہیں۔ اساتذہ و مدرسین ہر جگہ علمی فیض رسانی میں مصروف ہیں، اور انہوں نے طلبِ علم کا ایک جذبہ اور ولولہ پیدا کر رکھا ہے۔ طلباء گروہ در گروہ اور فوج در فوج ایک شہر سے دوسرے شہر جا رہے ہیں اور جہاں موقع دیکھتے ہیں تحصیلِ علم میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ہر بستی کے اہلِ توفیق ان طلباء کا خیال رکھتے ہیں اور اس جماعت کی خدمت کو عظیم سعادت شمار کرتے ہیں۔(۷)

اگر چہ اس نفسا نفسی کے عالم میں مفت تعلیم ایک اچنبا معلوم ہوتی ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ اسی ہندوستان پر جب امت مسلمہ کی حکمرانی تھی، تو نہ صرف یہ کہ تعلیم مفت دی جاتی تھی بلکہ طلبہ کی بود و باش اور خورد و نوش کا بھی پورا انتظام کیا جاتا تھا۔ نیز طلباء کو سرکاری ذرائع اور دیگر امراء کی طرف سے وظائف بھی دیئے جاتے تھے۔ ہر ادارہ اپنی مالی حیثیت کے مطابق طلباء کی ضروریات پوری کیا کرتا تھا۔(۸)

☆ اسی حقیقت کو ایک انگریز مؤرخ کی زبانی سنئے۔ پنجاب کی تعلیمی صورت حال کے متعلق مسٹر آرنلڈ کا بیان ہے کہ:۔

یہاں تعلیم عام ہے۔ مسلمان، ہندو اور سکھ سبھی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ البتہ سب اساتذہ مسلمان ہیں۔ بیشتر اساتذہ بغیر کسی معاوضہ کے تعلیم دیتے ہیں۔(۹)

افسوس کہ آج کے اس جدید دور میں تعلیم و تعلم جیسا مقدس فریضہ بھی محض ایک کاروبار بن چکا ہے اور اچھے خاصے ذہین طلبہ کی صلاحیتیں صرف ''غربت'' کی وجہ سے زہر آلود ہو رہی ہیں۔

(۷) مثالی نظام تعلیم ص ۱۴۴

(۸) تلخیص از اسلامی ریاست میں نظامِ تعلیم مصنفہ مسلم سجاد مطبوعہ انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد ۱۹۹۶ء

(۹) اسلامیات علم التعلیم ص ۳۵۱ / بحوالہ مثالی نظام تعلیم ص ۱۴۷

نظام تعلیم

جس طرح ہر قوم کا نظامِ تعلیم اس کے نظامِ حیات کے تابع ہوتا ہے اسی طرح امت مسلمہ کا نظامِ تعلیم بھی ہمیشہ اسلام کے تابع رہا۔ اسلام نے جہاں تعلیم و تعلم کو فروغ دیا وہیں تربیت اور ذہن سازی پر بھی خصوصی توجہ دی ہے۔

یہی وجہ ہے کے اسلامی دورِ حکومت میں اسلام کی تعلیم صرف اسلامیات کے مضمون تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ہر علم وفن میں اسلام ہی رچا بسا نظر آتا ہے۔ برصغیر میں جب صرف ونحو سے لے کر بیان وبدیع تک اور سیر وتاریخ سے لے کر عقائد وکلام تک تقریباً 17 علوم وفنون پر مشتمل نصاب تعلیم رائج تھا تو ہر علم وفن کو اسلامی ہی کہا جاتا تھا۔ دنیوی اور عصری علوم کی اصطلاح متعارف بھی نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ تعلیم ہی ایسی نہج پر ہوتی تھی کہ طالبِ علم فلسفہ پڑھ رہا ہو یا منطق، لغت پڑھ رہا ہو یا بلاغت، علمِ طب حاصل کر رہا ہو یا ادب، صنعت وحرفت کی تعلیم میں مشغول ہو یا ہندسہ وریاضی کی، ہر علم وفن میں اسلامی طرز فکر ہی سمایا ہوا تھا۔

اسی طرزِ فکر کا نتیجہ تھا کہ طالب خواہ جس شعبہ علم کو اپنی زندگی کا محور بنالیتا، ذہنی وعملی طور پر وہ پکا مسلمان ہی رہتا تھا۔ نیز یہ نظامِ تعلیم طلبہ میں اتنی صلاحیت ولیاقت پیدا کر دیتا تھا کہ وہ ہر تحقیق سے صحیح وسقیم کو ممتاز کر سکتا تھا۔ اس کے دل ودماغ میں غیر مسلموں کے افکار و نظریات سے مرعوبیت پیدا ہونے کا احتمال ہی نہیں رہتا تھا.......... بلکہ اس نظامِ تعلیم کی بدولت ذہنوں سے شکوک وشبہات کی سیاہی ڈھلتی، ایمان وعرفان کے چراغ روشن ہوتے۔ معاشرے میں تقویٰ، ایفائے عہد، عفت، عصمت، ایثار وقربانی، صلہ رحمی، اخلاق ومروت،

ہمدردی، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کی فکر پیدا ہوتی اور صرف عالم ہی نہیں، عالم گر پیدا ہو تے۔ ایسے ایسے مردان خدا پیدا ہوتے جو خود فقیہہ ہی نہیں فقیہہ گر بھی تھے، خود ولی ہی نہیں ولی ساز بھی تھے۔ نسلِ انسانی کو آج بھی ان پر ناز ہے۔

معیارِ تعلیم

مسلم حکمرانوں کے دورِ حکومت میں برصغیر علم وحکمت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہاں مسلمانوں نے صرف علم کو عام ہی نہیں کیا بلکہ اس کا اعلیٰ معیار بھی پیش کیا ہے۔ یہاں کا نظامِ تعلیم چونکہ ایک مکمل اور جامع نظامِ تعلیم تھا، اس لئے اس کے فارغ التحصیل طلبہ عملی زندگی کے ہر شعبہ کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ اسی نظامِ تعلیم کے تحت جہاں بڑے بڑے مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین، ادباء ومصنفین پیدا ہوئے ہیں۔ وہیں ارضیات وفلکیات کے بڑے بڑے ماہرین اور طب وسائنس کے حاذقین بھی پیدا ہوئے۔ غرضیکہ اس نظامِ تعلیم نے برصغیر میں لاکھوں صاحبانِ علم ومعرفت اور ماہرینِ صنعت وحرفت پیدا کئے۔ اور دنیا کو ایسے ایسے گوہر آبدار دیئے جن کی چمک سے زمانہ روشن ہوتا ہے۔

ان علوم وفنون کو چونکہ ہمارے اکابرین نے اپنی صدیوں کی جگر کاویوں اور عرق ریزیوں سے بامِ عروج تک پہنچایا تھا، اسی لئے ہندوستان کا نظامِ تعلیم اپنے معیار اور گوناگوں صفات کی بنیاد پر ساری دنیا کے نظامِ تعلیم سے بدرجہا بہتر تھا۔

اس حقیقت کو خود انگریز مورخین کی زبانی سنئے:۔

☆ انگریز مفکر ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر کہتا ہے:۔

"ملک ہمارے ہاتھ میں آنے سے پہلے مسلمان نہ صرف سیاسی اعتبار سے، بلکہ

ذہن وفراست کے اعتبار سے بھی ہندوستان میں بڑی قوت رکھتے تھے۔ ان کا نظامِ تعلیم اعلیٰ درجے کی ذہنی تربیت دے سکتا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کا نظام ہندوستان کے دیگر نظاموں سے بدرجہا بہتر تھا''۔(۱۰)

☆ جنرل سلیمان کی رائے ملاحظہ ہوں:۔

''دنیا میں ایسی قومیں بہت کم ہوں گی جن میں تعلیم اس قدر عام ہے جس قدر ہندوستان کے مسلمانوں میں، ان میں جو کوئی بیس روپے ماہوار کا متصدی ہوتا ہے وہ اپنے لڑکوں کو اسی طرح تعلیم دیتا ہے جس طرح ایک وزیر اعظم اپنی اولاد کو''۔(۱۱)

یہ وہی جنرل ہے جسے ہندوستانیوں کے ساتھ ملنے جلنے کا اتفاق عام یورپین افسروں سے زیادہ ہوتا رہا ہے۔

☆ یہی جنرل مزید لکھتا ہے:۔

''جو علوم ہمارے بچے لاطینی اور یونانی زبانوں میں، اپنے کالجوں میں حاصل کرتے ہیں وہی یہ لوگ (ہندوستانی مسلمان) عربی اور فارسی میں سیکھتے ہیں''۔(۱۲)

☆ اسی جنرل کا یہ بیان بھی پڑھنے کے قابل ہے، لکھتا ہے:۔

''سات سال کے درس (درس نظامی) کے بعد ایک طالب علم اپنے سر پر، جو آکسفورڈ کے فارغ التحصیل طالب علم کی طرح علم سے بھرا ہوتا ہے، دستارِ فضیلت باندھتا ہے

---

(۱۰) مثالی نظامِ تعلیم ص ۱۴۷

(۱۱) تاریخ روہیل کھنڈ مع تاریخ بریلی ص ۲۷۹ مطبوعہ مہران اکیڈمی کراچی۔ ۱۹۶۳ء

(۱۲) ایضاً ص ۲۸۰

اور اسی طرح روانی سے سقراط، ارسطو، افلاطون، بقراط، جالینوس اور بو علی سینا پر گفتگو کر سکتا ہے جس طرح آکسفورڈ کا کامیاب طالبِ علم"۔ (۱۳)

☆ اسی زمانے کی علمی حالت کا اندازہ کرنے کے لئے پروفیسر لائٹر کا یہ بیان بھی قابلِ توجہ ہے:۔

"اس وقت پنجاب کے بہت سے اضلاع میں تعلیمی اوسط برطانوی عہد کے اوسط سے بلند تر تھا"۔ (۱۴)

حکومتِ اسلامیہ کا زوال اور انگریز کا اقتدار

اگرچہ سلطان اورنگزیب عالمگیر علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد ہی سلطنتِ مغلیہ کا زوال شروع ہو گیا تھا اور اشاعتِ تعلیم کیلئے حکومتی سرپرستی میں کمی واقع ہو چکی تھی۔ تاہم اس گئے گزرے دور میں بھی یہاں تعلیم اس قدر عام تھی کہ ہر شہر علم کا مرکز بنا ہوا تھا، ایک ایک علاقے میں ہزاروں مدارس قائم تھے۔ درس و تدریس کی مسندیں سجی تھیں، علما و فضلاء اپنی ذہانتوں اور علمی چشموں سے تشنگانِ علم کو سیراب کر رہے تھے...... اسی دوران انگریز ہندوستان پر قبضہ جمانے

(۱۳) تاریخ روہیل کھنڈ مع تاریخ بریلی ص ۲۸۰ مطبوعہ مہران اکیڈمی کراچی۔ ۱۹۶۳ء

یہ بھی یاد رہے کہ یہ اس دور کی بات ہے جب ہندوستان میں مغل حکومت جاں بلب تھی، ملک میں اندھیر مچا ہوا تھا، انگریزی سیاست تختِ دہلی اور وزارت اودھ کا گلا گھونٹ رہی تھی، ہندوستانی علوم فنا کے گرداب میں تھپیڑے کھا رہے تھے، تمام ہندوستان ہولناک بربادی کے کنارے کھڑا تھا، جنرل سلیمان کا یہ بیان اس گئے گزرے زمانے کی تعلیمی حالت کے متعلق ہے۔...... تاریخ روہیل کھنڈ ص ۲۷۹

اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی اسے یہاں کے بچے کھچے علمی معیار کے متعلق یہ اقرار کرنا ہی پڑا کہ ہندوستان میں تعلیم کا معیار کسی طرح بھی انگریزی نظامِ تعلیم یا آکسفورڈ کے مقبول عام کلاسیکل کورس کے نصاب سے کم نہ تھا۔

(۱۴) نظامِ تعلیم ص ۸۷/ بحوالہ مثالی نظام تعلیم ص ۱۴۷

کی راہ ہموار کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ حکومتِ اسلامیہ زوال پذیر ہوتی رہی اور فرنگی اقتدار کا سورج طلوع ہوتا رہا۔

سولہویں صدی کے اختتام پر انگریز تاجروں کے بھیس میں ہندوستان داخل ہوئے۔ یہاں کے حالات کا گہری نظر سے جائزہ لیا۔ ماحول پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کیلئے منصوبہ بندی کی اور ۱۶۰۰ء میں ملکہ الزبتھ کی اجازت سے ہندوستان میں ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' کے نام سے ایک تجارتی کمپنی قائم کرلی۔ ۱۶۰۸ء میں اس کمپنی کا پہلا جہاز کپتان ہاکنز کی قیادت میں سورت پہنچا، اس وقت یہاں جہانگیر کی حکومت تھی۔ ہاکنز نے جہانگیر سے سورت میں ایک تجارتی مرکز قائم کرنے کی اجازت مانگی جو اسے مل گئی۔ ۱۶۱۵ء میں باقاعدہ حکومت انگلستان کی طرف سے سر ٹامس رو (تھامس رو) سفیر بن کر آیا اور جہانگیر سے انگریز تاجروں کیلئے مزید مراعات حاصل کرلیں۔ ان مراعات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ٹھیک ترپن سال بعد ۱۶۶۸ء کو بمبئی بندرگاہ پر انگریزی حکومت قائم ہوگئی۔ اس کے علاوہ ہگلی، کلکتہ، مدراس اور مچھلی پٹم میں بھی انگریزوں نے جہانگیر کی اجازت سے تجارتی منڈیاں قائم کرلیں۔ (۱۵)

---

(۱۵) فرخ سیر کے زمانہ حکومت میں انہیں ہندوستان میں قدم جمانے کا خوب موقع ملا۔ ہوا یوں کہ فرخ سیر ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہوا۔ ایک انگریز ڈاکٹر ہملٹن نے اس کا علاج کیا۔ بیماری سے شفایاب ہونے کے بعد اس نے ڈاکٹر کو پیش کش کی کہ وہ جو چاہے مانگ لے۔ ڈاکٹر کی عیاری اور اس کی قومی سوچ دیکھیں کہ اس نے نہ تو زر و جواہرات طلب کئے اور نہ ہی اپنے لئے کسی جاگیر کا مطالبہ کیا، بلکہ اس نے جو مانگا تو اپنی قوم کیلئے مزید تجارتی مراعات کی درخواست کردی۔ یعنی انہیں بنگال میں آزادانہ تجارت کی اجازت دی جائے اور اس کے بدلے ان سے سالانہ تین ہزار روپے کی رقم قبول کرلی جائے۔ فرخ سیر کی عاقبت نا اندیشی کہ اس نے یہ درخواست قبول کرلی۔ گویا تین ہزار روپے کی حقیر رقم کے بدلے پورا صوبہ ان کے حوالے کردیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بنگال کی نہ صرف معیشت پر پوری طرح حاوی ہوگئے بلکہ پورے ہندوستان میں ان کی جڑیں مضبوط ہوگئیں۔...... تاریخ نظریہ پاکستان از پیام شاہجہان پوری ص ۹۶،۹۵ مطبوعہ انجمن حمایت اسلام لاہور

قصہ مختصر یہ کہ ''تاجروں'' کے روپ میں ہندوستان آنے والا یہ عفریت یوں پھیلتے پھیلتے ۱۷۵۷ء تک بنگال اور بہار پر پوری طرح قابض ہو چکا تھا۔ اور ایک صدی کے اندر اندر ۱۸۵۷ء تک ملکہ وکٹوریہ کی صورت میں پورے ہندوستان پر چھا گیا۔ (۱۶)

آئندہ سطور میں انگریزی دورِ اقتدار کے نظامِ تعلیم کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

انگریز کی تعلیمی پالیسی

''فرنگی آقاؤں'' نے جب ہندوستان پر پوری طرح اپنے قدم جما لئے تو اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کیلئے یہاں کے نظامِ تعلیم کو اپنی مرضی و منشا کے مطابق ڈھالا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کسی قوم کو بزورِ شمشیر زیر تو کیا جا سکتا ہے لیکن صرف طاقت کے بل بوتے پر طویل عرصہ تک اس پر حکمرانی نہیں کی جا سکتی۔ کبھی نہ کبھی مغلوبوں کی رگِ حمیت بھڑک ہی اٹھتی ہے اور پھر حاکم و محکوم اور غالب و مغلوب کی درمیان کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ بعض اوقات تو یہ ہوتا ہے کہ وہی مغلوب حاکموں کا تختہ الٹ دیتے ہیں اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو کم از کم اس کشمکش کا اتنا نقصان تو ضرور ہوتا ہے کہ حاکم قوم کو اطمینان سے حکومت کرنا نصیب نہیں

---

(۱۶)　تاریخ نظریہ پاکستان ص ۱۱۲،۱۱۰

تقریباً ۹۰ سال تک انگریزوں نے ہندوستان پر بلاشرکتِ غیر حکومت کی اور ۱۹۴۷ء کو یعنی ایک صدی سے بھی کم عرصہ میں یہاں سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ مگر اس مختصر عرصۂ حکومت میں ان کی تعلیمی تاریخ اتنی گھناؤنی اور اس کے زہریلے اثرات اتنے مہلک ثابت ہوئے کہ ان کے چلے جانے کے پینسٹھ سال بعد بھی (قیامِ پاکستان کے بعد) قوم ان کے چنگل سے نکلنے کی بجائے مزید ان کی غلامی میں پھنستی ہی چلی جا رہی ہے۔

ہوتا۔ اسے ہر وقت ہنگاموں اور مزاحمتوں کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے زیرک حکمرانوں کی ہمیشہ سے یہ حکمتِ عملی رہی ہے کہ محکوم و مغلوب قوم کے دل و دماغ سے وہ بیج ہی مار دیا جائے جو توانا ہو کر تصادم کی صورت پیدا کرتا ہے۔ اس جذبۂ حمیت کو ختم کرنے کا کارگر اور مجرب نسخہ یہی ہوتا ہے کہ اس قوم میں اپنا نظامِ تعلیم متعارف کروایا جائے اور اپنے نظریات کے مطابق ان کی ذہن سازی کی جائے تاکہ ان محکوموں کا دماغ وہی سوچے جو حاکم چاہتے ہیں۔ یہ وہی کچھ کریں جو حاکموں کی مرضی ہے۔ (۱۷)

چنانچہ انگریزوں نے اسی نسخہ کو آزمایا اور ہندوستان میں اپنا نظامِ تعلیم متعارف کروانے کیلئے بڑی حکمتِ عملی سے منصوبہ بندی کی اور مختلف اقدامات کر کے اسے ملک میں نافذ کر دیا۔ (۱۸)

---

(۱۷) اقبال اور مسئلہ تعلیم ص ۶۸

(۱۸) یہ نسخہ ایک شاہی راز ہے جسے اقبال نے ایک فرنگی لارڈ کی زبانی فاش کیا۔ علامہ فرماتے ہیں۔

اک مردِ فرنگی نے کہا اپنے پسر سے
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر

بیچارے کے حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم
برّے پہ اگر فاش کریں قاعدۂ شیر

سینے میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

ضربِ کلیم

نئے نظام تعلیم کا تدریجاً فروغ

فرنگیوں نے ہندوستان میں مروجہ سابقہ نظامِ تعلیم کو یکسر تبدیل کرنے کی بجائے تدریجاً اور آہستہ آہستہ اپنے نظامِ تعلیم کو فروغ دیا۔ وہ مقامی نظام سے تصادم مول لیے بغیر اپنے اہداف پورے کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے وہ ایسی پالیسی اپنائے ہوئے تھے کہ یہاں پر مروج نظام سے فوری طور پر ٹکر بھی نہ لینی پڑے اور اسلامی نظامِ تعلیم بھی سسک سسک کر دم توڑ جائے۔ اگرچہ مغربی محققین اسے ''غیر جانبدارانہ'' پالیسی کا نام دیتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ پالیسی چند مجبوریوں کی بنا پر تشکیل دی گئی۔ وہ مجبوریاں یہ تھیں۔

ا:۔ اس وقت تمام سرکاری اداروں، دفتروں اور عدالتوں میں فارسی زبان مروج تھی۔ انگریزوں کو حکومت کا نظم و نسق چلانے کیلئے بہر حال مقامی افراد کے تعاون کی ضرورت تھی۔ کیونکہ ان کے اپنے پاس تو اتنی کھیپ تھی نہیں جو فی الفور اس نظام کو چلاتی اور مقامی افراد کا متبادل بنتی۔ اگر یکسر ہی سابقہ نظام ختم کر دیا جاتا تو نظامِ حکومت چلانا ہی ناممکن ہو جاتا۔ اس مجبوری کی وجہ سے انہوں نے پہلے اپنی مرضی کے افراد تیار کئے اور جب مطلوبہ مقدار میں ''بابو'' تیار ہو گئے تو سابقہ نظامِ تعلیم کو ختم کر دیا گیا۔

۲:۔ اس وقت عدالتوں میں فقہِ اسلامی کے مطابق فیصلے ہوا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر فی الفور اسے تبدیل کر کے نیا نظام متعارف کروایا جاتا تو نئی نئی بننے والی انگریزی حکومت اس کے ردِ عمل کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

۳:۔ مسلمانوں میں تعلیم بھی عام تھی اور علمی معیار بھی بلند تھا۔ جبکہ جدید نظامِ تعلیم اپنے معیار کے لحاظ سے اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔ لہٰذا انگریز نے عافیت اسی میں سمجھی کہ پہلے تو سابقہ

نظام کو سرکاری سطح پر غیر مفید ثابت کیا جائے، اعلیٰ مناصب کے دروازے ان پر بند کئے جائیں، اور حکومتی عہدوں پر نئے نظام کے مطابق ڈھلنے والے افراد کو ترجیح دی جائے۔ جب یہ نظام معاشرے میں عضوِ معطل کی صورت اختیار کرلے، تو پھر اپنے نظامِ تعلیم کو کلیۃً نافذ کردیا جائے۔

چنانچہ اس ''تدریجی'' پالیسی کے مطابق ۱۷۹۷ء میں سر چارلس گرانٹ نے اشاعتِ تعلیم پر ایک رسالہ لکھ کر ہندوستان کی قوت حاکمہ ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' کے ڈائریکٹروں کے سامنے پیش کیا۔ جس کا لبِ لباب یہ تھا کہ ابتداء میں ذریعۂ تعلیم ہندوستانی زبان ہو اور بتدریج انگریزی زبان کو رواج دیا جائے۔

چارلس گرانٹ کی سفارشات کے عین مطابق فی الفور تعلیمی ادارے قائم کئے گئے۔ بعد ازاں ۱۸۲۳ء میں کمپنی نے اپنے نظریہ و نصابِ تعلیم کے فروغ کیلئے ایک باقاعدہ کمیٹی تشکیل دی، جس کے متعلق یہ ذمہ داری تھی کہ وہ ملک میں مروجہ تعلیم کے حوالے سے تحقیقات کر کے ایسی تدابیر پیش کرے جو ہمارے نظامِ تعلیم کی اشاعت کیلئے مناسب اور مفید ہوں۔ چنانچہ اس کمیٹی کی سفارش پر ۱۸۲۴ء میں سنسکرت کالج قائم ہوا۔ ۱۸۲۹ء میں دہلی کے اندر کالج بنایا گیا، بعد ازاں آگرہ میں بھی کالج کا قیام عمل میں لایا گیا اور ان کالجوں میں انگریزی تعلیم کو بطورِ نصاب شامل کیا گیا۔ (۱۹)

ہندوستان میں صدیوں سے رائج اسلامی طریقہ تعلیم کو ختم کرنے اور اپنے نظامِ تعلیم کو نافذ کرنے کیلئے سامراجیوں نے جس حکمتِ عملی سے کام لیا، اسے ایک انگریز مؤرخ ڈاکٹر ہنٹر کی زبانی بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

☆ ''مسلمان اس (سابقہ) طریقۂ تعلیم سے اعلیٰ قابلیت اور دنیاوی برتری حاصل کرتے

(۱۹) مقدمہ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص ۲۸، ۲۷

تھے۔ ہم اپنے دورِ حکومت کے پچھلے ۷۵ سال میں ملکی انتظام کی خاطر اسی طریقہ سے متواتر فائدہ اٹھاتے رہے۔ اس دوران ہم نے اپنا طریقۂ تعلیم بھی رائج کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جوں ہی ایک نسل اس نئے طریقے کے تحت پیدا ہوگئی، تو ہم نے مسلمانوں کے پرانے طریقے کو خیر باد کہہ دیا۔ جس سے مسلمان نوجوانوں پر ہر قسم کی سرکاری زندگی کا دروازہ بند ہو گیا۔ (۲۰)

اندازہ فرمائیں کہ وہی علوم وفنون اور وہی طرزِ تعلیم جس کے بارے میں خود یورپی مفکرین کو اعتراف ہے کہ............

☆ مسلمان اس طریقۂ تعلیم سے اعلیٰ قابلیت اور دنیاوی برتری حاصل کرتے رہے۔
☆ یہ نظامِ تعلیم اعلیٰ درجے کی ذہنی تربیت دے سکتا تھا۔
☆ یہ نظامِ تعلیم کسی بھی طرح سے آکسفورڈ کے تعلیمی نظام سے کم نہیں۔
☆ اس نظام کے ذریعے تعلیمی اوسط برطانوی عہد کے اوسط سے بلند تر تھا۔

فرنگی سامراج ایسے نظامِ تعلیم کو نہ صرف نظر انداز کرنے بلکہ سرے سے ہی نیست و نابود کرنے پر تلا ہے۔ اور اس عداوت و دشمنی کی بنیاد کوئی علمی انحطاط نہیں بلکہ صرف اور صرف یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم ہے۔ اس سے بڑھ کر تعصب اور کیا ہو سکتا ہے؟؟

جدید تعلیم یافتہ افراد کی سرکاری سرپرستی

انگریز نے ہندوستان پر اپنا تسلط جما لینے کے بعد کچھ عرصہ تک تو سابقہ نظام کو ہی بحال رکھا اور اس عرصہ میں اپنے نظام تعلیم کے مطابق کلرکوں اور دفتری ملازموں کی ایک

(۲۰) مقدمہ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص ۱۷

کھیپ تیار کی۔ جب انگریزی سانچے میں ڈھلے ہوئے ملازموں کی خاطر خواہ فصل تیار ہو گئی تو انہوں نے سرکاری طور پر کسی بھی حکومتی عہدہ کے حصول کیلئے جدید تعلیم کی شرط لگا دی، اور سابقہ نظام کے تحت علم حاصل کرنے والے افراد پر معیشت کے دروازے بند کر دیئے۔

اس تبدیلی کا اصل ہدف مسلمان تھے کیونکہ اسلامی علوم وفنون سے عداوت تو انگریز کو ورثہ میں ملی تھی۔ اسی لیے اسلامی علوم وفنون کو نصاب سے خارج کر دیا گیا، یہ علوم حاصل کرنے والے افراد سرکاری عہدوں سے خارج کر دیئے گئے، اور ان علوم پر عمل کرنے والے حضرات کو تہذیب سے لاتعلق قرار دے دیا گیا۔

پنجاب کی ۵۷-۱۸۵۶ء کی تعلیمی رپورٹ کے مطابق یہاں کے تعلیمی اداروں میں مسلمان بچوں کی تعداد دیگر ساری قوموں سے زیادہ تھی اور پیشہ معلّمی تو سراسر مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا۔ مگر ۱۸۶۰ء میں جب انگریزی حکومت نے کپتان ''فلر'' کو محکمہ تعلیم کا ڈائریکٹر مقرر کیا تو اس نے ٹریننگ اسکولوں میں مسلمان اساتذہ کی تعداد کم کر دی اور ہندوؤں کو بڑھا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ مسلمان اس محکمے سے بالکل ہی بے دخل ہو گئے۔ یہی حالت دیگر ملازمتوں کی بھی تھی۔ (۲۱)

☆ اس صورتِ حال کو معروف مؤرخ محمد احمد خان کے الفاظ میں پڑھئے:۔

جب تک مسلمان حاکم تھے، نظم ونسق کے چھوٹے بڑے تمام عہدے ان ہی کے ہاتھ میں تھے۔ لیکن اب صورتِ حال بدل چکی تھی۔ انگریزی حکومت نے حصولِ ملازمت کیلئے تعلیمِ جدید کی شرط لگا دی تھی۔ اب مکتبوں کی سندیں حصولِ ملازمت کیلئے کاغذ کے پرزوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ علومِ مشرقیہ میں مہارت اور عربی وفارسی کی واقفیت، نظم و

(۲۱) مقدمہ تاریخ تعلیم وتربیت اسلامیہ ص ۳۲،۳۱

نسق کا کارپرداز بننے کیلئے کچھ بھی مفید نہ تھی۔ سرکاری ملازمت سے قطع نظر جن آزاد پیشوں کا تعلق پڑھنے لکھنے سے تھا، ان میں بھی مشرقی طریقۂ تعلیم بے کار ثابت ہو رہا تھا۔ (۲۲)

اس ظالمانہ پالیسی کا مقصد سیاسی، سماجی اور معاشی طور پر مسلمانوں کو برباد کرنا تھا۔ اسلامی تعلیم پر معاشی پابندیاں عائد کر کے روزگار کی ساری کنجیاں جدید تعلیم کے سپرد کر دی گئیں۔ ہندوؤں کو نوازا گیا جبکہ مسلمانوں پر باعزت زندگی کی راہیں مسدود کر دی گئیں۔ حد یہ تھی کہ ملازمتوں کیلئے اشتہارات میں باقاعدہ یہ لکھا جاتا کہ ہندوؤں کے سوا کسی کو ملازم نہ رکھا جائے گا۔

☆　معروف انگریز مؤرخ ولیم ہنٹر کو بھی اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ:۔

شاندار روایات کی حامل قوم پر معاش کے تمام راستے مسدود ہیں۔ (۲۳)

☆　یہی انگریز مؤرخ مزید لکھتا ہے کہ

مسلمان اب اس قدر گر گئے ہیں کہ وہ اگر سرکاری ملازمت پانے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں، تب بھی انہیں سرکاری اعلانات کے ذریعے خاص احتیاط کے ساتھ نااہل قرار دے دیا جاتا ہے۔ ان کی بے کسی کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا اور اعلیٰ حکام تو ان کے وجود کو تسلیم کرنا ہی اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ کلکتہ میں مشکل سے کوئی دفتر ایسا ہوگا جس میں بجز چپڑاسی یا چٹھی رساں یا دفتری کے مسلمان کو کوئی نوکری مل سکے۔ (۲۴)

---

(۲۲)　اقبال اور مسئلہ تعلیم ص ۷۲۔۷۱

(۲۳)　مثالی نظامِ تعلیم ص ۱۶۸

(۲۴)　تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص ۳۲

انگریزی نظامِ تعلیم کا اصل مقصد

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ انگریز اپنے خاص مقاصد کی تکمیل کیلئے ہندوستان آئے اور تجارت کو بہانہ بنا کر اپنے ان مذموم مقاصد کی تکمیل میں مصروف رہے۔(۲۵)

ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ امتِ مسلمہ کے دل و دماغ سے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے جذبات کو محو کیا جائے، اور اپنی فکر کی آبیاری کر کے انہیں اسلام سے دور کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کیلئے انہوں نے یہاں آتے ہی تعلیم کی آڑ میں اپنے منصوبے کو نہایت مؤثر طریقہ سے عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔

☆ اسی حقیقت کو ایک انگریز مؤرخ (N.N.Law) کی زبانی سنئے:۔

۱۶۱۴ء میں کمپنی کے وسائل سے اس مقصد کیلئے ضروری اقدامات کئے گئے کہ ہندوستانیوں کو بائبل کی تعلیم کیلئے تیار کیا جائے۔ اور کمپنی ہی کے خرچ پر انتظام کیا گیا کہ ان ہندوستانی مشنریوں کو آگے تبلیغی کام کرنے کیلئے ضروری تربیت دی جائے۔(۲۶)

یعنی ۱۶۰۰ء میں تجارت کے نام پر قائم ہونے والی ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے قیام کے فوراً بعد ہی اپنا اصلی ہدف پورا کرنے کیلئے پر تولنا شروع کر دیئے۔ پھر اس شاطر قوم کی عیاری بھی ملاحظہ ہو کہ ہندوستانیوں (مسلمانوں) کو عیسائیت کی تعلیم دینے، اپنی تربیت کے

---

(۲۵) وہ مقاصد کیا تھے؟ علامہ اقبال ان کی نشاندہی یوں فرماتے ہیں:۔

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا　روحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کر فرنگی تخیلات　اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج　کہ ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

(۲۶) مثالی نظامِ تعلیم ص ۱۵۰

سانچے میں ڈھالنے اور اندازِ فکر تبدیل کرنے کیلئے وسائل بھی یہاں سے ہی حاصل کئے گئے۔

پھر جوں جوں کمپنی کا اقتدار بڑھتا رہا، ان کے تعلیمی اہداف بھی پورے ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ ۱۶۹۸ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے باقاعدہ ایک قانون پاس کیا جس کے ذریعے کمپنی کے ہر جہاز، ہر فیکٹری اور ہر مرکز پر عیسائی مبلغین کا انتظام کرنا لازم کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں نوآبادیات شہریوں کی تعلیم کا اہتمام بھی ضروری قرار دے دیا گیا۔ (۲۷)

تعلیم کی بنیاد عیسائیت پر

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ انگریزی حکومت نے تعلیم کی بنیاد عیسائیت کے فروغ پر رکھی، چنانچہ سر چارلس گرانٹ نے جو تعلیمی رپورٹ ۱۷۹۷ء کو کمپنی کے ڈائریکٹروں کو پیش کی تھی، اس میں نہایت متعصبانہ خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ہندوستانیوں کی اصلاح اور نجات کا علاج عیسائیت کو ہی قرار دیا گیا تھا۔

☆ گرانٹ نے لکھا تھا:۔

اس میں کلام نہیں کہ سب سے اہم تعلیم جو ہندوستانی ہماری زبان میں پا سکتے ہیں وہ ہمارے مذہب کی تعلیم ہے جو متعدد رسالوں میں آسان الفاظ میں درج ہے اور مکمل طور پر انجیل مقدس میں موجود ہے۔ (۲۸)

☆ ہندوستان کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے گرانٹ نے جس خباثتِ باطنی کا کھل کر اظہار کیا، وہ بھی قابلِ مطالعہ ہے۔ لکھتا ہے:۔

ہندوستانیوں کی اخلاقی حالت خراب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی سوسائٹی نہایت

(۲۷) مثالی نظامِ تعلیم ص ۱۵۰ (۲۸) تاریخ تعلیم و تربیت ص ۲۹

ذلیل ہے۔ ان خرابیوں کی اصلاح قوانین کے نفاذ سے ہرگز نہیں ہو سکتی، خواہ وہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ دراصل تمام خرابیوں کی جڑ ان کی مذہبی رسمیں ہیں جن کی روح ان کے قوانین میں موجود ہے اور ان کے جھوٹے، ناپاک، قابلِ مضحکہ مذہبی اصولوں میں مضمر ہے۔ ان تمام برائیوں کا واحد علاج یہی ہے کہ ہمارے علم کی روشنی ان لوگوں میں پہنچائی جائے جو تاریکی میں ہیں، بالخصوص ہمارے ربانی مذہب کے خاص اور پاک اصول انہیں بتائے جائیں۔ اور اس سلسلہ میں ہماری ذمہ داری اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ جس سچے مذہب سے ہم مستفیض ہیں اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ (۲۹)

چارلس گرانٹ کے ان متعصّبانہ تجزیوں پر مبنی رپورٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کی سرپرستی میں، تعلیم کے نام پر، عیسائیت کی تبلیغ کے لئے، مبلغین تیار کئے گئے۔ مشنریوں نے تعلیمی ادارے کھولے، چھاپہ خانہ قائم کئے گئے، جہاں ملکی زبانوں میں انجیل کی اشاعت کی گئی۔ (۳۰) غرضیکہ ترغیب و ترہیب کا ہر حربہ استعمال کر کے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوششیں کی گئیں۔ (۳۱)

(۲۹) مقدمہ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص ۳۰، ۲۹

(۳۰) مقدمہ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص ۲۷

(۳۱) انگریزی حکومت کے خیر خواہ سر سید نے اپنے رسالہ ''اسبابِ بغاوت ہند'' میں اس صورتِ حال کا یوں تجزیہ کیا۔ لکھتے ہیں:۔

مشنری اسکول بہت جاری ہوئے، ان میں مذہبی (عیسائی) تعلیم جاری ہوئی۔ سب لوگ کہتے تھے کہ سرکار کی طرف سے ہیں۔ بعض اضلاع میں بڑے بڑے عالی قدر حکام ان اسکولوں میں جاتے تھے اور لوگوں کو ان میں داخل ہونے اور شامل ہونے کی ترغیب دیتے تھے۔ امتحان مذہبی کتابوں میں لیا جاتا تھا اور طالب علموں میں جو کم عمر لڑکے ہوتے ان سے پوچھا جاتا تھا کہ تمہارا خدا کون ہے؟ تمہارا نجات دینے والا کون ہے؟ وہ عیسائی مذہب کے موافق جواب دیتے تھے جس پر انہیں انعام ملتا تھا...... ان سب باتوں سے رعایا کا دل ہماری گورنمنٹ سے پھر جاتا تھا۔

مقدمہ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص ۳۱

اسلامی مدارس کی بندش

یہ بھی ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ فرنگی سامراجیوں نے جہاں عیسائیت کو فروغ دینے کیلئے اپنے نظامِ تعلیم کو پروان چڑھایا، اور انگریزی تعلیم حاصل کرنے والوں کو وظائف دیئے، وسائل مہیا کیے، نوکریاں دیں، معاشرتی عزت واحترام دیا اور سرکاری سرپرستی کی...... وہیں اسلامی مدارس کا ناطقہ بند کرنے کیلئے ان پر پابندیاں عائد کیں، وظائف بند کر دیئے، اوقاف ضبط کر لئے، املاک کو نقصان پہنچایا، حکومتی عہدوں سے بے دخل کر دیا اور معاشی طور پر انہیں بے دست و پا بنا کے رکھ دیا۔ (۳۲)

فرنگیوں کے اس تعصب کا نتیجہ یہ ہوا کہ علمی محفلیں سونی پڑ گئیں۔ جن علاقوں میں علوم وفنون کے چرچے تھے، وہاں جہالت کی تاریکیاں چھا گئیں...... تاریخ کا یہ فیصلہ ہے کہ مسلمانوں کیلئے انگریز کا سب سے بڑا کارنامہ فروغِ علم نہیں بلکہ تعلیم کی تباہی ہے اور یہ محض الزام نہیں، بلکہ خود برطانوی مفکرین کو اس کا اعتراف بھی ہے۔

☆ مسلمانوں کی املاک ضبط کرنے کے حوالے سے ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے:۔

اس حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ کہ مسلمانوں کے نزدیک اگر ہم اس جائیداد کو، جو اس مصرف کیلئے ہمارے قبضہ میں دی گئی تھی۔ ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے تو بنگال میں ان کے پاس آج بھی نہایت اعلیٰ اور شاندار تعلیمی ادارے موجود ہوتے۔

(۳۲) اسلامی تعلیم کے ساتھ تعصب کی حد تو دیکھئے کہ مسلمانوں کے وسائل کو ہندوؤں پر استعمال کیا گیا۔ صرف بنگال میں مسلمانوں کے اوقاف کی آمدن کا تقریباً اسی ہزار روپیہ سالانہ دوسری قوموں کی تعلیم پر صرف ہوتا تھا۔ جبکہ مسلمانوں کے ایک عربی مدرسے پر صرف ڈھائی ہزار خرچ کیا جاتا تھا۔...... مثالی نظام تعلیم ص ۱۵۴

☆ مگر ہوا کیا؟ یہ بھی اسی سے سنئے:۔

سینکڑوں پرانے خاندان تباہ ہو گئے اور مسلمانوں کا تعلیمی نظام جس کا دار و مدار ہی ان معافیات (اوقاف) پر تھا، بالکل تہہ و بالا ہو گیا.......... مسلمانوں کے تعلیمی ادارے اٹھارہ سال کی مسلسل لوٹ کھسوٹ کے بعد یک قلم مٹ گئے۔ (۳۳)

☆ ایک اور برطانوی مفکر مسٹر الفسٹن وارڈن کا اعترافِ جرم ہے:۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ ہم نے ہندوستان میں رہنے والے قومی باشندوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دیئے ہیں۔ ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس نے نہ صرف علمی ترقی کے تمام ذرائع مٹا دیئے ہیں بلکہ (اس) قوم کے اصل علوم بھی گم ہو جانے اور پہلے لوگوں کی ذہانت فراموش ہو جانے کا شدید اندیشہ ہے۔ (۳۴)

☆ اسلامی مدارس کے حوالے سے انگریزوں کی اس متعصبانہ پالیسی کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہ بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

اس نئی متشددانہ پالیسی کی بناء پر گزشتہ پچاس سال میں ہندوستان کا پرانا نظامِ تعلیم ختم ہو گیا اور بحیثیت مجموعی ناخوندگی کی سطح بڑھ گئی...... ڈائریکٹر تعلیم کیلئے وہ بڑے خوشی کے لمحات تھے۔ جب ایک ہی سال میں، محض ایک تحصیل میں، چھ چھ سو اور سات سات سو مدارس بند ہوئے۔ (۳۵)

---

(۳۳) مقدمہ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص ۳۲،۳۱

(۳۴) مثالی نظامِ تعلیم ص ۱۵۴

(۳۵) نظامِ تعلیم۔ خلاصہ ص ۸۶،۸۰/ بحوالہ مثالی نظام تعلیم ص ۱۵۴

میکالے کی تعلیمی پالیسی

جیسے جیسے کمپنی کی حکومت بڑھتی رہی ویسے ویسے انگریز کے تعلیمی اہداف بھی پورے ہوتے رہے۔ جب پورے ہندوستان پر افرنگیوں نے اپنا تسلط جمالیا اور منصوبے کے مطابق دفتری بابوؤں کی مطلوبہ تعداد بھی تیار ہوگئی تو ہندوستان سے اسلامی نظامِ تعلیم کو بالکل ختم کر کے مکمل طور پر انگریزی تعلیم کو نافذ کرنے کا منصوبہ تیار ہوا۔ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا اہم رکن لارڈ میکالے تھا۔ اس نے ایک مفصل رپورٹ اور بنیادی تعلیمی نصاب مرتب کیا جس کا مقصد مسلمانوں کو تعلیم سے کلیۃً بے دخل اور معاشرہ میں بالکل بے دست و پا بنا کے رکھ کر دینا تھا۔ میکالے کی اسی ''خدمت'' کے پیش نظر اسے بجا طور پر جدید تعلیم کا بانی کہا جاتا ہے۔

میکالے نے ۱۸۵۳ء کو مقبوضہ ہندوستان کے گورنر جنرل کو جو تاریخی رپورٹ پیش کی اس میں جدید نظامِ تعلیم کے اغراض و مقاصد کو اس نے خود ہی بڑی وضاحت کے ساتھ بیان بھی کر دیا تھا۔ اگر چہ بظاہر اس کا دعوی یہ تھا کہ وہ فلسفہ وغیرہ قدیم علوم کو تبدیل کر کے ان جگہ مسلمانوں کو جدید علوم سے آراستہ کرنا چاہتا ہے، مگر درحقیقت اس کا بنیادی مشن یہ تھا کہ مسلمانوں کو اپنے علوم وفنون کے بارے میں شدید احساسِ کمتری کا شکار کر کے ان کے دلوں پر مغرب کی بالادستی کا سکہ بٹھا دیا جائے۔ جس کا لازمی اور قطعی نتیجہ یہ ہوگا مسلمانوں کی نظر میں خود ان کا اپنا ہی تہذیب و تمدن اور قومی تشخص حقیر اور بے معنی ہو کر رہ جائے گا، پھر ان کے ذہنوں میں ہم یہ تصور بٹھا دیں گے کہ اگر وہ کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو اپنی فکر، اپنے فلسفۂ حیات، اپنے اکابرین، اپنی سابقہ روایات اور اپنے ماضی پر نظر حقارت ڈالتے ہوئے مغرب کا

نقش پا تلاش کرتے آئیں۔انہیں مغرب کی نقالی میں ہی عزت مل سکتی ہے۔

☆ مغربی علوم وفنون کی قصیدہ خوانی اور اسلامی علوم کی تحقیر کر کے وہ ہمیں کس طرح احساسِ پسماندگی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے؟ اسی کے الفاظ میں پڑھیئے :۔

مجھے نہ تو عربی سے کوئی واقفیت ہے، نہ سنسکرت سے، مگر ان کی حقیقی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے لیے میں جو کچھ کر سکتا تھا اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی......میں اس بات پر بھی تیار ہوں کہ مستشرقین جو اہمیت ان علوم کو دیتے ہیں میں بھی وہی دوں۔مگر ان حضرات میں مجھے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ملا جو اس حقیقت سے انکار کرے کہ یورپ کے کسی اچھے کتب خانے کی محض ایک الماری، ہندوستان اور عرب کے سارے ادبی سرمایہ پر بھاری ہے۔(۳۶)

مذکورہ بالا اقتباس کو بارِ دِگر پڑھیں اور ''خود مجھے عربی و سنسکرت نہیں آتی'' کا اعتراف مدِ نظر رکھ کر خود فیصلہ فرمالیں کہ یہ تبصرہ ''یورپ کے کسی اچھے کتب خانے کی ایک الماری عرب و ہندوستان کے سارے ادبی سرمایہ پر بھاری ہے'' بغض و عداوت اور اسلام دشمنی کی کتنی عمدہ مثال ہے؟ شاید اسی کو کہتے ہیں......دیوانہ گفت وابلہ باور کرد۔

ظاہر ہے کہ جب اسلامی لٹریچر کے بارے میں ایسے تبصروں کے ذریعے منفی خیالات پیدا کر دیئے جائیں گے تو طلبہ کے ذہن تو خود ہی اسلامی علوم کے متعلق احساسِ کمتری کا شکار ہو جائیں گے۔

☆ یہ تو تھا ادبی علوم کے بارے میں تجزیہ، اب سائنس کے متعلق بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

جب ہم ان علوم کی طرف دیکھتے ہیں جو حقائق پر مبنی ہیں اور جن میں تجربہ اور مشاہدہ

(۳۶) میکالے کا نظریۂ تعلیم مترجمہ عبدالحمید صدیقی ص ۴۸۔۴۷ مطبوعہ روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی کراچی

بطورِ اساس کام کرتے ہیں، تو اس وقت یورپ کی فضیلت مسلم ہو جاتی ہے۔ (۳۷)

☆ جدید نصاب کی تعلیمی زبان کونسی ہو گی؟ اس کے متعلق لکھتے ہوئے سابقہ تعلیمی زبان کے بارے میں بھی اس کی ہرزہ سرائی ملاحظہ ہوں:۔

جب ہمیں ایک زبان کی تعلیم دینے کا اختیار حاصل ہے، تو کیا ہم پھر بھی ان زبانوں کی تعلیم دیں گے جن میں مسلمہ طور پر کسی موضوع کے متعلق بھی کوئی ایسی قابل قدر کتاب نہیں ملتی جسے ہماری زبان کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہو۔ (۳۸)

☆ اس جدید نصاب میں کونسے علوم پڑھائے جائیں گے؟ اسی کی زبانی سنئے:۔

جب ہم یورپین علوم پڑھانے میں بالکل آزاد ہیں، تو کیا پھر بھی ہم انہی علوم کی تعلیم دیں گے جو یورپین علوم سے نہ صرف مختلف ہیں بلکہ ان کی لغویت مسلمہ طور پر نمایاں ہے۔ (۳۹)

☆ اسلامی فلسفہ اور تاریخ کے متعلق بھی اس کی ہرزہ سرائی ملاحظہ ہوں:۔

جب ہم ایک صحیح فلسفہ اور تاریخ کی سرپرستی کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، تو کیا وجہ ہے کہ ہم سرکاری دولت خرچ کر کے وہ اصول پڑھائیں جنہیں دیکھ کر انگلستان کا نعل بند (موچی) بھی خفت محسوس کرتا ہے۔ (۴۰)

☆ علم طب کے متعلق لکھتا ہے:۔

ایک انگریز نیم حکیم عطائی کے لیے بھی ہندوستان کا علمِ طب باعثِ ننگ و عار ہے۔ (۴۱)

☆ علم ہیئت کے متعلق کہتا ہے:۔

جسے پڑھ کر انگریزی اسکول کی بچیاں بھی خندہ زن ہوں گی۔ (۴۲)

(۳۷ تا ۴۲) میکالے کا نظریۂ تعلیم ص ۵۰ تا ۵۴، مترجمہ عبدالحمید صدیقی مطبوعہ روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی، کراچی

لارڈ میکالے کے یہ اقتباسات کسی تبصرے کے محتاج نہیں۔ میکالے نے اپنی اس رپورٹ میں اسلامی نظامِ تعلیم کے خلاف جس اندھے تعصب اور بغض وعناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے حقائق کو نہ صرف بری طرح مسخ کیا، بلکہ ہمارے اسلامی نظامِ تعلیم کی ہنسی اڑائی ہے، ہمیں اس پر بھی کچھ نہیں کہنا۔ کیونکہ اسلام کے خلاف یہ بغض تو انگریزوں کے خمیر میں شامل ہے اور یہ یہی روگ ایک موروثی مرض کی طرح اسے بھی ورثہ میں ملا تھا۔ ہمیں صرف اور صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ ان اقتباسات میں یہ حقیقت واشگاف الفاظ میں پڑھی جا سکتی ہے کہ میکالے نے اپنے نظامِ تعلیم کی بنیاد ہی اسلام دشمنی پر رکھی ہے۔ (۴۳)

جدید نظامِ تعلیم کا مقصد

یہ تو ظاہر ہے کہ جدید نظامِ تعلیم نافذ کرنے سے ''فرنگی آقاؤں'' کی یہ غرض تو قطعاً نہ تھی کے مسلمانوں میں اعلیٰ درجہ کے ماہرین پیدا کیے جائیں۔ (۴۴) پھر اس جدید نظام کے ذریعے انگریزوں کا مقصد کیا تھا؟ اور وہ کس قسم کی نسل تیار کرنا چاہتے تھے؟ آیئے یہ مقصد بھی میکالے کے ہی الفاظ میں پڑھیے۔

☆ اسی رپورٹ میں لکھتا ہے:۔

ہم فی الحال اپنے محدود ذرائع کے ساتھ سب لوگوں کی تعلیم کا بندوبست نہیں کر سکتے۔

(۴۳) نیز ان اقتباسات سے یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہیں رہتی کہ میکالے مسلمانوں کو جدید تعلیم کا زہر دے کر احساسِ کمتری، غلامانہ ذہنیت اور پراگندگیٔ خیال میں مبتلا کر کے اپنے اکابرین، اپنی قوم اور اپنی روایات سے بے گانہ کرنا چاہتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ یہی بے گانگی بے زاری میں تبدیل ہو جاتی ہے، اسی لئے جدید تعلیم یافتہ طبقہ اپنے اسلاف سے بیزار ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں الحاد و بے دینی نوجوانوں کے پراگندہ و منتشر ذہن پر قبضہ جما لیتی ہے۔

(۴۴) یہی وجہ ہے کہ یہاں سائنس و ٹیکنالوجی اور دیگر فنی علوم کا معیار ہمیشہ پست رکھا گیا۔

ہمیں اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض سرانجام دے جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں۔ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر ذوق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم وفراست کے نقطۂ نظر سے انگریز۔پھر اس کام کی ذمہ داری اس طبقہ پر چھوڑ دیں کہ وہ اس ملک کی بولیوں کو سنوارے، مغربی علوم سے سائنسی اصطلاحات لیکر ان زبانوں کو مالا مال کرے اور آہستہ آہستہ انہیں اس قابل بنائے کہ ان کے ذریعے ملک کی آبادی کو تعلیم دی جا سکے۔(۴۵)

اس جدید نظام تعلیم کے پس پردہ گھناؤنے مقصد کو خود اس نظام کے بانی ومرتب لارڈ میکالے نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔کہ اس نظام کا مقصد ایسے ''کالے انگریز'' پیدا کرنا ہے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، مگر ذوق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم وفراست کے نقطۂ نظر سے انگریز ہوں......اگر اب بھی جدید نظام تعلیم کے بارے میں حقیقتِ حال منکشف نہ ہوئی ہو تو آیئے اسی میکالے کی زبانی مزید واضح الفاظ میں سنئے۔

☆ برطانوی دارالعوام میں ہندوستانیوں کے تعلیمی امور پر بحث کرتے ہوئے میکالے نے اپنے مقاصد کا واشگاف الفاظ میں یوں اظہار کیا:۔

ہمارے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ ہم ہندوستانی نوجوانوں کے اذہان وقلوب کو بدل ڈالنے کی کوشش کریں۔ہم ان کو ہندوستانی عوام اور اجنبی حکمرانوں کے درمیان رابطہ کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ہمیں ان لوگوں کی تربیت اس انداز سے کرنا ہے کہ نسل ورنگ کے اعتبار سے تو یہ ہندوستانی ہی رہیں لیکن ذہنی وفکری انداز انگریزی ہونا چاہیے۔(۴۶)

---

(۴۵) میکالے کا نظریہ تعلیم، مترجمہ عبدالحمید صدیقی ص ۶۹ (۴۶) ہمارا تعلیمی نظام ص ۷۶

میکالے نے جدید تعلیم کا سانچہ ہی کچھ اس انداز کا بنایا ہے کہ انگریزوں کے مقاصد کا پورا ہونا کوئی بعید از قیاس نہیں رہتا۔ وہ خود اس پالیسی پر کتنا پُر امید ہے؟ ملاحظہ فرمائیں۔

☆ حکومت وقت پر زور دیتے ہوئے لکھتا ہے:۔

انگریزی تعلیم حکومت کا فرض ہے۔ انگریزی زبان ہندوستانیوں کے لیے مغرب کے ترقی یافتہ اور وسعت پذیر علوم کا دروازہ کھول دے گی اور ایک زمانہ آئے گا کہ ہندوستان مغربیت کا جامہ اختیار کر لے گا۔ اور یہ قوی امید ہے کہ ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگا جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوگا مگر خیالات اور تمدن میں انگریز ہوگا۔ (۴۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جدید نظامِ تعلیم میکالے کا ساختہ پرداختہ ہے اور میکالے نے اس نظام کو چند خاص اغراض و مقاصد کے لیے وضع کیا تھا۔ اس کے پیشِ نظر ایک طرف تو کلرکوں، بابوؤں اور اہل کاروں کی صورت میں ایسے ملازم پیدا کرنا مقصود تھا جو بقول میکالے ''ہمارے اور ان کروڑوں لوگوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض انجام دیں جن پر ہم حکمران ہیں''۔ اور دوسری طرف معاشرے میں سے چن چن کر ایسے ''کالے انگریز'' پیدا کرنا مقصود تھا جو ذہنی و فکری اعتبا سے پست و پسماندہ ہوں، انہیں احساسِ کمتری اور غلامانہ ذہنیت میں مبتلا کیا جائے، تا کہ انگریزی حاکمیت کا ٹھپہ پوری طرح ان کے دل و دماغ پر مرتسم ہو جائے۔ (۴۸)

---

(۴۷) مقدمہ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص ۲۹

(۴۸) خلاصہ از ہمارا تعلیمی نظام ص ۵۰

جدید تعلیم کے نتائج

بدقسمتی سے اس جدید نظامِ تعلیم کے نتائج وہی نکلے جو انگریز چاہتے تھے، بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا اس نظام کے نتائج ان کی توقعات سے بھی کہیں بڑھ کر نکلے۔ جدید تعلیم پانے کے بعد نوجوانوں کی اکثریت نے وضع قطع، چال ڈھال اور رہن سہن میں فرنگی کی اندھی تقلید کو ہی ذریعہ عزت و وقار سمجھ لیا۔ ایک حد تک اس طرزِ عمل کو بادلِ نخواستہ گوارا بھی کر لیا جاتا مگر افسوس! صد افسوس!! کہ ان کی فکر کے سانچے بھی فرنگی ہی بن گئے۔

☆ اسی صورت کے پیش نظر اقبال بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ:۔

عقلی و فکری لحاظ سے وہ (مسلم نوجوان) مغربی دنیا کا غلام ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کی روح اس صحیح القوام خودداری کے عنصر سے خالی ہے جو قومی تاریخ اور قومی لٹریچر سے پیدا ہوتی ہے۔(۴۹)

اب مجموعی طور پر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم لٹ رہے ہیں اور مسلسل لٹتے ہی جا رہے ہیں، کھو رہے ہیں اور مسلسل کھوتے ہی جا رہے ہیں...... اور ستم بالائے ستم یہ کہ لٹنے والوں کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ تم ہی لوٹ رہے ہو، کھونے والوں کو ہی سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہی پا رہے ہو۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

متاعِ کارواں کی تاراجی شاید اتنی نقصان دہ نہ ہوتی، اگر احساسِ زیاں ہی کم از کم باقی رہ جاتا...... مگر تأسف تو یہ ہے کے غارت گروں نے متاعِ عزیز کے لٹ جانے کا احساس بھی لوٹ لیا ہے۔

---

(۴۹) مضامینِ اقبال مرتبہ تصدق حسین تاج مطبوعہ احمدیہ پریس حیدر آباد ۱۳۶۲ھ، ص ۹۶/ بحوالہ اقبال اور مسئلہ تعلیم ص ۶۷-۶۶

کبھی ہم پر وہ وقت بھی تھا جب ہم تو کسی میں کیا جذب ہوتے، غیر ہی ہمارے نقش قدم کو ذریعۂ افتخار سمجھتے تھے...... مگر شومئی قسمت کہ اس نظامِ تعلیم سے ہماری نوجوان اکثریت کے اخلاق بدل گئے، دل و دماغ بدل گئے، حتیٰ کہ سوچ اور فکر کے انداز بھی بدل گئے اور یہ ساری صورتِ حال اس بات کی غماضی کر رہی ہے کہ جدید تعلیم کا نشہ پلا کر ہمیں ہی خود سے چھین لیا گیا ہے۔ اب ہم خود کچھ نہیں بلکہ وہی کچھ ہیں جو یہود و نصاریٰ ہمیں رکھنا چاہتے ہیں۔ شاید کسی نے ایسے ہی موقع کے لیے کہا تھا۔

انہی کی محفل سنوارتا ہوں، چراغ میرا ہے رات ان کی ہے
انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں، زبان میری ہے بات ان کی ہے

چنانچہ اس بے ہنگم نظام تعلیم کی وجہ سے وہی مسلمان جو کبھی علم و عمل کے شاہسوار تھے، آج بے عملی و بے شعوری کے شاہکار بن گئے ہیں...... کبھی کامیابیاں جن کا مقدر تھیں، آج شکست ان کا نصیب ہے...... کبھی عزت و عظمت جن کا شعار تھی، آج ذلت و پستی ان کی علامت ہے...... ربِ کائنات نے جنہیں فتح و نصرت کی نوید سنائی تھی، آج وہ کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی کی عملی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ کبھی جن کی شان یہ تھی:۔

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

آج انہی کی یہ حالت ہے۔

شور ہے کہ ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم نصاریٰ ہو تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود (۵۰)

یہی وہ مصیبت ہے جس میں ہم مبتلا ہیں، اور اس افتاد سے نکلنے کے لیے ہمیں کوشش کرنا ہے، اور اپنے نونہالوں کے لیے ایسا نظام تعلیم متعارف کروانا ہے جو ان کی عظمت رفتہ کو بحال کر دے، انہیں کھویا ہوا وقار واپس دلا دے، ان کے قلوب واذہان پر اسلامی تعلیمات کے گہرے نقوش مرتب کرے اور جسے پڑھنے کے بعد طالبِ علم انسانیت کی ڈوبتی ناؤ کو سہارا دے سکے۔

جدید تعلیم کے متعلق اکابرین کے تاثرات

☆ سر سید احمد خاں جو اسلام سے زیادہ انگریز سے متأثر تھے۔ اس نظامِ تعلیم کے بارے میں ابتداء ان کی رائے یہ تھی۔ (۵۱)

(۵۰) مثالی نظامِ تعلیم ص ۳۷، ۳۸

(۵۱) ہمارے مروجہ نظامِ تعلیم میں سر سید احمد خان کا چونکہ ایک بنیادی کردار ہے۔ اس لیے ان کے متعلق چند تاریخی حقائق پیش خدمت ہیں۔

موصوف انگریز بہادر کی کمپنی میں ملازم تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی مخالفت کے ساتھ ساتھ انگریزوں کی حفاظت میں پیش پیش رہے، اور اس خدمت کے طفیل انگریز حکومت کے پنشن خوار ہونے کے ساتھ "سر" کا خطاب حاصل کر کے سر سید بنے۔ ۱۸۶۹ء میں انہیں انگلستان ٹور کے دوران آکسفورڈ اور کیمرج یونیورسٹیوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ان سے اس قدر متأثر ہوئے کے واپس آنے کے بعد ۱۸۷۶ء میں اپنے ہم خیال دوستوں سے مشاورت کے بعد ایک تعلیمی لائحہ عمل تیار کیا۔ مسلمانوں کی تعلیم وترقی کے لیے صرف انگریزی ہی نہیں انگریز سے بھی مصالحت پر زور دیا۔ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

''اگر قوم کو فی الواقع ترقی کرنا ہے تو اس کے لیے اس کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں ہے کہ وہ مغربی علوم مغربی زبان میں حاصل کرے۔ آکسفورڈ اور کیمرج یونیورسٹیوں کو اپنے لیے مثال بنائے''۔(۵۲)

(بقیہ۵۱) موصوف کے نزدیک مسلمانوں کی ترقی صرف نئی تعلیم میں ہی نہیں، نئی تہذیب میں بھی مضمر تھی۔ ان کے خیال میں مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کے لئے انگریز کا اعتماد حاصل کرنا، صلیب وہلال کی یکجائی اور جدید تعلیم وتہذیب کو اپنانا ضروری تھا۔ اسی احساسِ کمتری کی بنیاد پر انہوں نے اسلام اور اسلامی معاملات وعقائد میں من مانی تاویلات کیں اور مغربی تہذیب سے متصادم اسلامی تعلیمات کو تاویل کی خراد پر چڑھا کر مغرب سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ طرزِ معاشرت میں بھی انگریز کی ہی نقل کو مقدم سمجھا۔ جھٹکے دار عیسائی ذبیحہ، کھڑے ہو کر پیشاب کرنے، داڑھی منڈوانے وغیرہ کا جواز گھڑا، حتی کے بائبل کو بھی غیر تحریف شدہ ثابت کرنے کی کوشش کی...... اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کے موصوف اپنی قوم سے ہمدردی کے طور پر یہ سب کچھ کر رہے تھے تو بھی یہ حقیقت ناقابلِ تردید ہے کہ انہیں انگریز اور انگریزی تعلیم وتہذیب سے عشق تھا (جس کا اظہار وہ جنگ آزادی میں اپنی قوم کے ہم قدم ہونے کی بجائے انگریزوں کی طرف داری کر کے کر چکے تھے اور اب ان کی شان میں رطب اللسان رہ کر کر رہے تھے) ان کے نزدیک انگریز کی ہر بات ہی درست تھی اور اسے صحیح ثابت کرنے کے لئے وہ فیضی کی طرح کسی بھی تاویل کے لئے تیار تھے.......... خلاصہ از نظام تعلیم ۱۰۸ا۱۰۰ بحوالہ/اقبال نظام تعلیم ۱۷۱-۱۷۰ا۱۶۹۔

(۵۲) سرسید نے مسلمانوں میں جدید تعلیم کو عام کرنے کے لئے یہ نعرہ لگایا کہ:۔

''اسلامی فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں، نیچرل سائنس ہمارے بائیں ہاتھ میں اور کلمہ طیبہ کا تاج ہمارے سر پر ہوگا''۔

مگر صورتحال یہ تھی کہ فلسفہ تو تھا، مگر اسلامی نہیں بلکہ مصالحتی...... نیچرل سائنس بھی تھی، مگر وہ بھی اسلام مخالف نظریات از بر کرانے کے سوا کچھ نہ کر سکی...... اور کلمہ طیبہ بھی انہی کو میسر آسکا جن کی ابتدائی تعلیم اس نہج پر ہوئی تھی۔

درحقیقت آپ طلبا کو مکمل طور پر انگریز دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اگر اپنے ادارے میں ایک طرف مسجد بنائی تو دوسری طرف انگریز کی تقلید میں مکمل انگریزی لباس، نشست وبرخاست، نوشت وخواند، خورد ونوش اور خواب گاہوں کے ساتھ ساتھ کرکٹ، سوئمنگ، رائیڈنگ کلب بھی بنائے۔ کالج کے عملے میں بھی ادارے کا پرنسپل اور دو پروفیسروں کا انگریز ہونا سرسید کی خواہش تھی (اگر چہ اس سے سیاسی مصالحت، مالی امداد اور طلباء کی ملازمتوں کے فوائد حاصل ہوئے مگر اندازہ فرمائیں! جس ادارے کا فرمانروا ہی انگریز ہو، کیا وہ ادارہ کسی اسلامی حرکت کا مرتکب ہوسکتا ہے؟) (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس تعلیم کے اثرات بد سے گھبرا کر گویا ہوئے۔

''یونیورسٹی کالج لاہور نے بلخ و بدخشاں کے طلباء کو تعلیم دی مگر مسجد میں پڑھنے والوں کے برابر عربی اور فارسی میں کوئی عالم پیدا نہیں کیا۔ پروفیشنسی اور ہائی پروفیشنسی سے لوگوں کو کیا فائدہ ہوا؟ یا قوم کو؟ ملک کو؟ حکومت کو؟ اور اخلاق کو؟''

☆ اور پھر جب ان بہت پڑھے لکھوں سے دل آزاری بہت بڑھ گئی تو کہہ اٹھے۔

تعجب ہے! جو تعلیم پاتے جاتے ہیں اور جن سے بھلائی کی توقع ہے وہ ہی شیطان ہوئے جاتے ہیں۔ (۵۳)

(بقیہ۵۲) ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ:۔

''اگر ہم قوم سے جہالت دور کرنا چاہتے ہیں تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اوپر کے طبقوں کو تعلیم دیں۔ اس طبقے کے افراد جہالت کی تاریکی دور کرنے میں ستاروں کا کام دیں گے۔''

یوں تعلیم صرف خواص تک محدود ہو کر رہ گئی، گویا اب تعلیم صرف امیر لوگوں کا حق تھی۔ طلبہ سے بھاری فیسیں وصول کر کے انہیں انگریزوں کے ہتھے چڑھا دیا گیا۔ نصابِ تعلیم میں بھی اسلامیات کی صرف ایک چھوٹی سی کتاب شامل کر کے پورے نصاب کو اسلامی بنانے کی کوشش کی گئی، بوقت ضرورت یہ پیریڈ بھی دوسرے مضامین میں ضم ہو جاتا تھا۔ یوں اسلامی تعلیم کی جامعیت ختم کر کے اسے بھی ایک تجارتی چیز بنا دیا گیا۔ تاریخ کا یہ فیصلہ ہے کہ ''خواص کی تعلیم اور دینی و دنیاوی تعلیم کی علیحدگی'' علی گڑھ کا پیدا کردہ وہ ناسور ہے جو آج بھی ہمارے نظامِ تعلیم کی روح کو گھائل کر رہا ہے۔

ادارے میں تعلیم کا منتہائے مقصود سرکاری نوکری تھا (گویا میکالے کی دلی مراد پوری ہوئی) علی گڑھ تعلیم کے طفیل عام مسلمان طلبہ کلرکی اور ذہین طبقہ ڈپٹی کلکٹری سے زیادہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ ستم ظریفی تو دیکھئے کہ خود موصوف کو بھی اس کا تجربہ ہوا۔ وہ اپنے بیٹے کو کسی قومی خدمت پر لگانا چاہتے تھے جبکہ صاحبزادے کی نگاہیں سرکاری ملازمت پر لگی تھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ سرسید کے مقاصد خواہ کتنے ہی نیک رہے ہوں مگر اسلام کے بارے میں ان کے معذرت خواہانہ رویے، دینی و دنیاوی تعلیم کی تقسیم، انگریزی تہذیب و تعلیم کی اندھا دھند تقلید وغیرہ امور نے قوم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ اساتذہ و طلبہ میں مادیت اور ظاہر پرستی کا آغاز بھی یہیں سے ہوا۔ اگر چہ سید صاحب کو بالآخر اپنی فاش غلطی کا احساس ڈسنے لگا تھا لیکن افسوس کہ تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ دو غلے پن کی روایت اور دولت کی محبت قوم کے اس رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی.........خلاصہ از مثالی نظام تعلیم ص ۱۷۶، ۱۷۱، ۱۷۱　(۵۳)　ایضاً ص ۱۶۴

☆ نواب محسن الملک سرسید کے دستِ راست اور انگریزی تعلیم کو ضروری قرار دیتے تھے، وہ بھی بہت جلد یہ کہتے پائے گئے:۔

اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ مغربی تہذیب، انگریزی تعلیم اور انگریزی سوسائٹی نے ہم مسلمانوں میں ایک نئی بیماری پیدا کردی ہے جو تعصب اور تقلید سے بھی زیادہ مہلک ہے، جس کا نام ''آزادروی'' ہے۔

انگریزی تعلیم، مغربی تہذیب اور یورپین خیالات سے پہلے مسلمانوں کی حالت گو دنیاوی اعتبار سے خراب تھی، مگر اسلام باقی تھا.......... مگر اب حالت دوسری ہے۔ انگریزی تعلیم نے ہمیں عمدہ خصلتوں، پاکیزہ خیالات اور مردانہ کوششوں کا سبق تو دیا نہیں، ہاں ان کی ناپاک باتوں، وحشیانہ چلن اور مخرب اخلاقی طریقوں کا گرویدہ کر کے وہ افسوسناک حالت پیدا کردی ہے جس کے لئے خود یورپ اپنی قوم پر ماتم کر رہا ہے۔ (۵۴)

☆ شبلی نعمانی انگریزی سے بدظن ہوئے تو کہنے لگے:۔

انگریزی خواں مہمل فرقہ ہے۔ مذہب کو جانے دو، یہاں تو خیالات، سچی آزادی اور ترقی کا جوش برائے نام بھی نہیں۔ یہاں ان چیزوں کا ذکر ہی نہیں۔ بس خالی کوٹ پتلونوں کی نمائش گاہ ہے۔ علمی سطح بالکل گر چکی ہے اور انگریزی تعلیم بالکل جہل کے برابر بن گئی ہے۔ جدید تعلیم ایک مدت سے جاری ہے اور آج سینکڑوں، ہزاروں تعلیم یافتہ کلیدی آسامیوں پر مامور ہیں لیکن قومی علم ابھی ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جنہوں نے کالج کے ایوانوں میں نہیں، مکتب کی چٹائیوں پر تعلیم پائی ہے۔ (۵۵)

(۵۴) مثالی نظام تعلیم ص ۱۶۵ (۵۵) ایضاً ص ۱۶۵

☆ مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال جنہوں نے ساری زندگی انگریزی پڑھنے پڑھانے میں گزاری اور اس کی آخری حد ڈاکٹریٹ تک پہنچے۔ وہ بھی جدید تعلیم کو مغرب پرستی، مذہب سے دوری، ملحدانہ نظریات اور اخلاقی دیوالیہ پن کا باعث قرار دیتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل دنیا تو ملی ، طائر دیں کر گیا پرواز

اور نتیجہ خیز فیصلہ کرتے ہوئے فرمانے لگے:۔

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم اک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

☆ اکبر الہ آبادی نے جدید تعلیم پر اپنے تاثرات کا یوں کھل کر اظہار کیا۔

یوں قتل سے بچوں کے بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اور میکالے کی تعلیمی پالیسی کو بیان کرتے ہوئے کہا:۔

''دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے''

☆ خود انگریز مفکر ڈبلیو۔ ڈبلیو ہنٹر کا اعترافِ جرم ہے کہ:۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا طریقہ تعلیم ، جس نے ہندوؤں کو ان کی صدیوں کی نیند سے بیدار کیا اور ان کے کاہل عوام میں قومیت کے شریفانہ احساسات پیدا کئے۔ مسلمانوں کی روایات کے بالکل منافی اور ان کی ضروریات کے بالکل غیر مطابق ہے بلکہ ان کے مذہب کی تحقیر کرتا ہے۔ (۵۶)

غرضیکہ تمام اکابرین کی نظر میں انگریزی نظامِ تعلیم سے نہ تو طلبہ کی کردار سازی ہو سکی

(۵۶) میکالے کا نظریۂ تعلیم از عبدالحمید صدیقی مطبوعہ روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی کراچی ص ۷۵

اور نہ ہی اخلاقی قدریں پروان چڑھ سکیں۔ البتہ نقالوں اور ملازموں کی ایک فوج ضرور تیار ہوئی جو ابن الوقتی میں اپنی مثال آپ ہی ہے۔ اس نظام سے ''جی حضوریئے'' تو بے شمار پیدا ہوئے، مگر مشکل حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے والے انسان تیار نہ ہو سکے۔

یہود و نصاریٰ کی پالیسی

گذشتہ صفحات میں آپ نے ہندوستان میں انگریزوں کے آنے سے پہلے کے نظامِ تعلیم کا بھی مختصر جائزہ لیا اور ان کے آنے کے بعد کا نظامِ تعلیم، اس کے اغراض و مقاصد اور نتائج و عواقب کی اجمالی روئیداد بھی ملاحظہ فرمائی۔ اب آیئے ذرا اسلامی نظامِ تعلیم کے خلاف یہود و نصاریٰ کے منصوبوں کی بھی ایک جھلک ملاحظہ فرمالیں:۔

تمام اسلامی ممالک میں عموماً اور پاک و ہند میں خصوصاً نت نئے تعلیمی نظریات متعارف کروانے کے حوالے سے یہود و نصاریٰ کے بڑے عجیب انداز ہیں (جن کی کچھ تفصیل آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں) کبھی اپنے ہی نبیوں کی ہر بات جھٹلانے والے، ان کی تعلیمات کو نہ صرف بھلا دینے بلکہ مسخ کر دینے والے آج سو فیصد اعلیٰ تعلیم کے علم بردار بنے بیٹھے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف ان کی متعصّبانہ تعلیمی منصوبہ بندیوں پر ایک طائرانہ نظر دوڑائیں اور فیصلہ کریں کہ وہ کس قدر خطرناک عزائم رکھتے ہیں:۔

عیسائیوں کی منصوبہ بندی

عیسائی ایک طویل عرصہ سے پوری دنیا پر بلاشرکتِ غیر حکمرانی کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اسی لئے کئی دفعہ وہ دنیا کو صلیبی جنگوں کے ذریعے کشت و خون میں نہلا چکے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ جنگ کے ذریعے ہم اپنے مقاصد میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوتے تو اٹھارھویں صدی سے، انہوں نے اپنی پالیسی میں وسعت پیدا کی اور کھلم کھلا جنگ کے ساتھ

ساتھ اپنے تعلیمی نظریات کو بھی عام کرنے کا منصوبہ بنایا، تاکہ کم از کم مزاحمت پر وہ دنیا کو فتح کرسکیں۔ان کا سب سے بڑا مشن یہ ہے کہ اسلام کو صفحۂ ہستی سے کیسے ختم کیا جاسکتا ہے؟(۵۷)

چنانچہ اس منصوبے کی تکمیل کے لئے انہوں نے جو طریقہ بنایا، اس کے حوالے سے گھر کے بھیدی کی شہادت ملاحظہ فرمالیں:۔

☆ برطانوی نوآبادیاتی وزارت کا سیکرٹری اپنے ایک سرگرم رکن ہمفرے کو لکھتا ہے:۔

میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں کہ ہم آئندہ صدی میں اپنی مراد کو پہنچ جائیں گے اور اگر آج ہماری نسل اس کامیابی کو نہ دیکھ سکی تو ہماری اولادیں ضرور یہ اچھے دن دیکھیں گی...... اسلام کے خلاف ہماری جنگ مغلوں کی طرح فوجی کاروائیوں اور قتل و غارت پر منحصر نہیں اور ہمیں اس کام جلدی بھی نہیں۔عظیم برطانیہ کی حکومت اسلام کو مٹانے کے لئے پورے مطالعہ

---

(۵۷) مقامِ حیرت ہے کہ ایک تحریف شدہ مذہب "جو بین الاقوامی" بھی نہیں بلکہ صرف بنی اسرائیل کے لئے تھا۔جیسا کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے:۔

میں نہیں بھیجا گیا سوائے بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے لئے۔(متی ۲۵،۲۴)

اور یہ مذہب ہمیشہ کے لئے بھی نہیں، محض ایک مخصوص وقت تک کے لئے کارآمد تھا۔اس تحریف شدہ اور ایکسپائر مذہب کے ماننے والے آج افق تا افق چھا جانے کے لئے کمربستہ ہیں۔بزعمِ خود خدا کے چہیتے بننے والے ہی مخلوقِ خدا کو عذاب میں مبتلا کئے ہوئے ہیں۔اور خدا کے پسندیدہ دین کو نیست و نابود کرنے کے درپے ہیں......اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ۔ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا......تاہم وہ دیگر غیر مسلم اقوام کو بھی اپنے اس مذموم مقصد میں شامل کرکے اسلام کے خلاف صف آراء ہوچکے ہیں۔اس حوالے سے سابق امریکی صدر نکسن کے مضمون کا یہ اقتباس قابلِ توجہ ہے:۔

میں امریکہ، روس، یورپ، جاپان، چین اور بھارت کو پرزور طریقے سے کہتا ہوں کہ ان کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ مسلم بنیاد پرستی کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خلاف اپنی طاقتیں یکجا و مرکوز کرلیں۔مسلم ملکوں کی فوجی حکمتِ عملی، ان سب کی جغرافیائی پوزیشنیں، معدنی، آبی، زرعی اور صنعتی وسائل کی فراوانی، ان کی وسیع منڈیاں اور ان کی حالیہ ٹیکنالوجی میں کامیابیاں، ایک نہ ایک دن عالمِ اسلام کی قوت بن سکتی ہیں، جو دنیا کے لئے ایک سنگین خطرہ بن جائیں گی۔

(نیو ورلڈ آرڈر ص ۱۶، از امجد حیات ملک، مطبوعہ نیو چوبرجی لاہور ۱۹۹۶ء)

کے ساتھ آگے بڑھے گی اور بڑے صبر و تحمل کے ساتھ اپنے عظیم کاموں کو بروئے کار لائے گی۔ البتہ ہم ضروری مواقع پر فوجی کاروائیوں سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ مگر یہ اس صورت میں ہوگا جب ہم اسلامی حکومتوں پر پوری طرح چھا جائیں گے اور کچھ عناصر ہماری مخالفت پر کمربستہ ہو کر میدان میں اتر آئیں گے.......... لیکن ہمیں ابھی سے متوسط طبقے کے بچوں کو ان سکولوں میں تربیت دینا ہے جو ہم نے ان کے لئے قائم کئے ہیں۔ ہمیں ان علاقوں میں متعدد چرچ بھی بنانے ہیں۔ شراب، جوا اور شہوت رانی کو اس طرح سے پھیلانا ہے کہ نوجوان نسل دین و مذہب کو بھول جائے اور ہمیں اسلامی ممالک کے حکمرانوں کے درمیان اختلاف کی آگ کو بھی ہوا دینا ہے۔ ہر طرف ہرج مرج اور فتنہ و فساد کا بازار گرم کرانا ہے۔ ارکان حکومت اور صاحبانِ ثروت کو حسین و جمیل عیسائی عورتوں کے دام میں پھنسانا ہے اور ان کی محفلوں کو ان پری مہوشوں سے رونق بخشنا ہے تاکہ آہستہ آہستہ وہ اپنے دین اور سیاسی اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھیں، لوگ ان سے بدظن ہو جائیں اور اسلام کے بارے میں ان کا ایمان کمزور ہو جائے، جس کے نتیجہ میں علماء، حکومت اور عوام کا اتحاد ٹوٹ جائے۔ ایسے حالات میں جنگ کی آگ بھڑکا کر ہم ان ممالک میں اسلام کی جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ (۵۸)

قارئینِ کرام! یہ طویل اقتباس آپ نے پڑھا، اس میں درج منصوبوں کا بار دگر مطالعہ فرمائیں اور پھر اپنے اردگرد ماحول کو دیکھتے ہوئے خود فیصلہ فرمائیں کہ ان کے منصوبے کتنے خطرناک اور گھناؤنے ہیں؟ اور انہیں اپنے منصوبوں میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے؟

---

(۵۸)　ہمفرے کے اعترافات ص ۱۹، ۱۷

یہودیوں کی منصوبہ بندی

آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس وقت اقوامِ عالم میں یہودیوں کی تعداد سب سے کمتر ہے۔ مگر یہ کمترین ہونے کے باوجود اپنے ظاہر و باطن میں اس زہریلے خنجر کی طرح ہیں جس سے بھلائی کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی۔ ان کے عزائم سب سے زیادہ خطرناک اور شیطانی ہیں۔

جس طرح ہر نظام کا کوئی نہ کوئی سرچشمہ ہوتا ہے اسی طرح موجودہ یہودی نظام کی بنیاد یہ ہے۔

The Protocols of the Learned of the zian

صیہونی اربابِ دانش کے وثیقے۔

یہ ایک ایسا لائحہ عمل ہے جسے دنیا بھر کے یہودی نمائندوں نے سوئٹزر لینڈ کے شہر بابل میں میں ۹۷۔۱۸۹۶ء کو منعقد ہونے والی کانگریس میں، اتفاقِ رائے سے، پوری دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے تیار کیا۔ اس منصوبے کو وہ بڑی رازداری سے عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہیں۔ اس متفقہ یہودی پلان کے چند اقتباسات آپ بھی پڑھئے:۔

☆ ہمیں تمام غیر یہودی اقوام کی تعلیم کو اس انداز سے مرتب کرنا ہے کہ جب کبھی انہیں کسی معاملہ میں اپنے طور پر کوئی قدم اٹھانا پڑے تو وہ کسی قطعی نتیجے پر نہ پہنچ سکیں۔(۵۹)

فی الواقع وہ اس منصوبہ میں کامیاب ہوگئے ہیں اور انہوں نے انسانی زندگی کو ایک ایسی ریس بنا دیا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں...... ایک ایسے سفر میں دھکیل دیا ہے، جس کی کوئی

(۵۹) نیو ورلڈ آرڈر ص ۱۹۶

منزل نہیں......ایسی مشکلات سے دوچار کردیا ہے، جنہیں کبھی اختتام نہیں......اور ایسی تگ و دو میں جکڑ دیا ہے، جس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ انہوں نے منصوبہ ہی اس انداز سے ترتیب دیا ہے کہ عصرِ حاضر کا انسان کولہو کے بیل کی طرح ایک ہی دائرے میں مسلسل چکر کاٹتے کاٹتے سانسیں ہار جاتا ہے اور کبھی کسی منزل تک نہیں پہنچ پاتا۔

☆ ہمارے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ تمام غیر یہود کے ذہنوں سے خدا اور روح کے تصور کا استیصال کر کے اس کی جگہ مادی ضروریات اور حسابی اعداد وشمار کے تصور کو مستحکم کریں۔ اعلیٰ حیثیت اور اعلیٰ درجہ حاصل کرنے لئے گہری جدوجہد اور معاشی زندگی پر پڑنے والی ضربوں کی بناء پر ایک بے ضمیر، بے رحم اور بے حس معاشرہ نہ صرف جنم لے گا بلکہ لے چکا ہے۔ (۶۰)

تعلیمی میدان میں یہود کی کامیابیاں اظہر من الشمس ہیں۔ مشاہدہ کی بناء پر یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ آج ہر قوم الا ماشاء اللہ، خدا اور روح کے تصور سے بیگانہ ہو چکی ہے۔ نیز مادیت پرستی اور جمع خرچ (حسابی اعداد وشمار) کی دیوانگی میں تمام حدود پامال کر چکی ہے۔

☆ ترقی یافتہ اور روشن خیال سمجھے جانے والے ممالک میں ہم نے بے معنی، گندہ، نفرت انگیز اور فحش لٹریچر پیدا کر دیا ہے۔ ہم اپنے ذہین افراد کو غیر یہود کا راہنما بننے کی خصوصی تربیت دیں گے۔ وہ ایسی تقریریں، منصوبے، یادداشتیں تیار کریں گے جنہیں ہم غیر یہود کے ذہنوں کو متأثر کرنے کے لئے استعمال کریں گے، تاکہ وہ ہماری متعین کردہ فکری راہوں پر چلیں اور وہ ایسا علم حاصل کریں جو ہمیں پسند ہو۔ (۶۱)

اس اقتباس کو باردگر پڑھیے اور اندازہ فرمایئے کہ انہوں نے کیسی منصوبہ بندی

(۶۰) نیو ورلڈ آرڈر ص ۱۹۷　　(۶۱) ایضاً ص ۲۰۵

کر کے پوری دنیا کو قمار خانہ اور عیاشی و فحاشی کا اڈا بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں اشیائے ضرورت کی دوکانیں کم ہیں جبکہ ہر گلی میں بیوٹی کلینک، بیوٹی پارلر، بیوٹی سپاٹ، سلمنگ سنٹر، بوتیک، ویڈیو سنٹر، مساج سنٹر، کلب اور دیگر عیاشی کے مراکز زیادہ ہیں...... علاوہ ازیں ہوٹلوں کی بکنگ، انٹرنیٹ کا غلط استعمال، پتنگ بازی، میوزک پروگرام اور دیگر عیاشی کے مراکز...... کیا یہ سب اس صیہونی منصوبے کی کامیابیاں نہیں ہیں؟

☆ ہم وہ تمام اقدامات کریں گے جن کے باعث روئے زمین سے غیر یہود کی تمام قدروں کا استیصال ہو سکے۔ (۶۲)

انہوں نے وہ تمام اقدامات کر دیئے ہیں۔ آپ کسی دن کی کوئی اخبار اٹھالیں، کسی ٹی وی چینل کو آن کر کے دیکھ لیں، ہر طرف آوارگی ہے۔ فحش الفاظ اور غلیظ انداز کے گانے، ڈرامے، فلمیں اور مختلف پروگرام دکھا کر قوم سے حیا چھینی جا رہی ہے۔ رہی سہی کسر کمرشل اشتہارات نے نکال دی ہے۔ ہر شی کے اشتہار پر فحاشی پھیلاتی عورت نمایاں ہے، حتیٰ کہ مردانہ چیز پر بھی اشتہار کسی برہنہ عورت کا نظر آئے گا۔

اور اس پر بھی مستزاد یہ کہ یہود کے نمائندوں نے ہمارے ہاں ایسے تہوار بھی متعارف کروا دیئے ہیں جن میں کھلم کھلا بے حیائی کی دعوت دی جاتی ہے۔ سر دست صرف ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے عام استعمال ہونے والے چند جملے پڑھئے اور پھر آپ کی مرضی کہ سر دھنئے یا پٹخئے۔

اس ویلنٹائن ڈے پر فریش شروعات کیلئے فریش پھول...... ایک سپیشل گفٹ سے

(۶۲) نیو ورلڈ آرڈر ص ۱۹۸

تازہ کرلو سب قسمیں......اب کپڑوں کا بھی کچھ سوچ ہی لو...... چنا کسی کو اپنے لئے......ڈنر کے لئے ٹیبل بک کرائی یا نہیں......خریدو ایک کارڈ جو کہہ دے ہر بات......ورلڈ کپ تو آتے جاتے رہیں گے پیار بار بار نہیں ہوتا......رکھو ایک الارم تاکہ اس دن نہ ہو لیٹ......بسنت کو چھوڑو دل کی ڈور کھینچو......فریش آئیڈ! سمندر کنارے ایک شام......کرکٹ میچ دیکھتے رہے تو ہو چکا دل کا میچ۔

یاد رہے کہ یہ پیغامات اس قوم کو دیئے جا رہے ہیں جسے چادر و چار دیواری کا پابند بنایا گیا ہے۔ (۶۳)

☆ غیر یہود کو بچپن ہی سے آوارہ مزاج اور بد قماش بنانے کے لئے ہم نے اپنے خاص گماشتوں کا اہتمام کیا ہوا ہے۔ ان خاص ایجنٹوں سے مراد ان (غیر یہود) کے وہ اتالیق ہیں جن کے سپرد ان کی ساری تعلیم و تربیت ہے، ان کے خدمتگار اور ملازم ہیں، ان کے نگران ہیں، کسی بھی حیثیت میں ان کی صحبت میں رہنے والے افراد ہیں، ان کے اہل ثروت کے ہاں کی استانیاں ہیں، ہماری وہ عورتیں ہیں جو بد قماشی کے ان اڈوں پر موجود رہتی ہیں، جہاں یہ (غیر یہود) جانا پسند کرتے ہیں، وہ نام نہاد سوسائٹی لیڈیز بھی اس میں شامل ہیں جو دوسروں کی نقالی میں از خود عیاشی، فحاشی اور آوارگی کا سامان مہیا کرتے ہوئے لوگوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھانستی ہیں۔ (۶۴)

یہ منصوبہ پھر پڑھیے اور اندازہ فرمائیے کہ یہود نے اپنے خاص ''گماشتوں'' کے ذریعے کس طرح انسانیت کو جنسی ہیجان میں جھونک دیا ہے۔ گھر کے اندر اور باہر، ہر طرف

(۶۳) مثالی نظامِ تعلیم ص ۲۲۲ (۶۴) نیو ورلڈ آرڈر ص ۱۹۱

حیوانی جذبات ابھارے جارہے ہیں۔ مثلاً گھر کے اندر ڈش، کیبل، انٹرنیٹ اور موبائل پیکجز کی مادر پدر آزادی............ عائلی اور گھریلو تقریبات میں بے ہودہ تعیّشات کی فراوانی...... اخبارات اور ٹی وی چینلز پر عیاشی کی دعوت دیتے پروگرام، فحاشی پھیلاتے مناظر اور جنسی میلان پیدا کرتے اشتہارات ہیں اور اس پر بھی مستزاد یہ کہ ہماری قوم کو یہ ننگِ انسانیت تہذیب اپنانے کا جنون ہے۔

اور گھر سے باہر نکلیں تو عریاں سائن بورڈ، دعوت نظارہ دیتی عورتیں، مسخریاں کرتے آوارہ لڑکے، فحش گانوں کا شور، حیاسوز فلموں ڈراموں کی کثرت، چوراہوں پر غلیظ قسم کی حرکتیں، عام گفتگو میں گالیوں کا بے دریغ استعمال، تفریح گاہوں میں بے ہودگی کا سماں اور ملبوسات میں عریانیت ہے...... کتب خانوں پر اسلام دشمن لٹریچر، اخلاق بگاڑتے رسائل، فحش تصاویر اور جنس و جوانی بیچتے رنگا رنگ میگزین ہیں...... ہوٹلوں میں ہر جنسی سہولت، دورانِ سفر تلذذ کے لئے ائیر ہوسٹس، شاپنگ کے لئے سیلز گرلز، ہسپتالوں میں مردوں پر تعینات نرسیں اور پھر مزید برآں یہ کہ اسے اپنی قومی ثقافت قرار دینے پر زور ہے۔

تعلیمی اداروں میں مخلوط نظامِ تعلیم، لیڈیز فرسٹ کے نعرے، طلبہ و طالبات کی دوستیاں، ناچ گانے کی تربیت، میوزیکل پروگرام، کئی کئی دنوں پر مشتمل ٹورز، شخصی آزادی اور روشن خیالی کے پردے میں صرف اور صرف عشق اور فیشن کے گر سکھائے جارہے ہیں۔

غرضیکہ ایک آگ ہے جس نے پورے معاشرے کو لپیٹ رکھا ہے۔ کسی نے کتنا برمحل کہا تھا:۔

آنکھ جو دیکھتی ہے وہ لب پر آ نہیں سکتا — محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

ذرا سوچئے! کیا یہ سب (اور دیگر بہت کچھ) اسی صیہونی منصوبے کی تکمیل نہیں ہے؟؟

☆ اس متفقہ یہودی منصوبے میں یہ بھی طے ہے کہ جب اس قوم کو کسی نے ذرا بھی سمجھانے کی کوشش کی کہ سوچو تو سہی تم کیا تھے اور کیا کر رہے ہو؟ تو ہمارا اگلا قدم یہ ہوگا۔

اس خطرے کے پیش نظر کہ مبادا لوگ اس بات کا اندازہ کرلیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ ہم ان کی توجہ کھیل، تماشے، تفریحات، بے لگام جذبات اور عوامی محلات کی طرف پھیر دیں گے۔ پھر جلد ہی ہم پریس کے ذریعے آرٹ اور کھیلوں کے مقابلے کی تجویز پیش کریں گے۔ اس قسم کی دلچسپیاں ہمیشہ کے لئے ان کی توجہات کو ان مسائل سے ہٹا دیں گی، جن کی مخالفت پر ہم مجبور ہوں گے۔ (۶۵)

☆ یہودیوں کے ان منصوبوں کا انجام کیا ہوگا؟ یہ بھی انہوں نے اس ماسٹر پلان میں طے کر دیا ہے۔

ایک خاص اور موزوں وقت میں، ہم جو کہ مقنن ہیں، فیصلے صادر کریں گے۔ ہم قتل کریں گے اور قتل عام میں کسی کو نہیں بخشیں گے، کیونکہ ہمارے ہاتھ میں اس جماعت (مسلمانوں) کی تمام زما میں موجود ہیں جو کبھی بہت طاقتور تھی اور اب ہم اسے نیست و نابود کر چکے ہیں۔ اب ہمارے ہاتھوں میں جو ہتھیار ہیں وہ دراصل بے پایاں اور لامحدود امنگیں اور جذبات ہیں، جلتی ہوئی شعلہ فشاں حرص ہے، بے رحم و شقی القلب انتقام ہے، نفرت ہے اور غیظ و غضب ہے۔ (۶۶)

---

(۶۵) نیو ورلڈ آرڈر ص ۲۰۳ (۶۶) ایضاً ص ۲۰۱

قیامِ پاکستان کے بعد

برصغیر میں مغربی سامراج کے خلاف تحریک آزادی میں مسلمانوں نے اپنے لئے ایک علیحدہ اور مستقل مملکت کا مطالبہ کیا۔ ایک ایسی مملکت جس میں مسلمانوں کو مکمل آزادی ہو اور کسی بھی غیر مسلم قوم کی اس میں مداخلت نہ ہو۔ چنانچہ طویل جدوجہد کے بعد ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشے پر ایک آزاد اور خودمختار اسلامی سلطنت ابھر کر سامنے آئی۔

پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر بنا تھا اس لئے ضروری تھا کہ یہاں کا نظامِ تعلیم بھی اسلامی ہوتا۔ مگر افسوس کہ لاکھوں انسانوں کے لاشوں اور خون سے سینچی جانے والی اس سرزمین سے نہ تو ہم مغربی نظام کو ختم کر سکے اور ہی اسلامی نظام کو نافذ کر سکے۔ شاید اسی غفلت کی سزا ہے کہ کل تک خود انگریز ہم پر حکمران تھے اور آج کے ان کے فضلہ خوار ہم پر مسلط ہیں۔

ہمارے ہاں تعلیمی دنیا کی حالت عجیب کسمپرسی کا شکار ہے۔ اس اسلامی سلطنت کے باسیوں کا نظامِ تعلیم ورلڈ بنک کے ماہرین یہود و نصاریٰ تیار کرتے ہیں۔ اسے نافذ کرنے کے لئے پالیسیاں بھی وہی دیتے ہیں۔ کلیدی آسامیوں پر مامور حضرات کی ٹریننگ بھی وہی کرتے ہیں۔ اور پھر ان ''گماشتوں'' کے ذریعے نصاب میں من مانی تبدیلیاں کرواتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہود و نصاریٰ ہماری نسلِ نو کے قلوب واذہان کو انگریز بنانے کے لئے پوری توانائی سے کوشاں ہیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان کا یہ سارا منصوبہ ''تعلیمی امداد'' کے پردے میں پروان چڑھایا جارہا ہے۔

اندازہ فرمائیں کہ جو قوم تقریباً ۷۵ فیصد بیرونی تعاون اور باقی ۲۵ فیصد بھی نقل بلاعقل کے بل بوتے پر ترقی کے خواب دیکھے، کیا اس کے نظامِ تعلیم کے ثمر آور ہونے کی توقع

کی جاسکتی ہے؟ یا کم از کم اس گرہن زدہ معاشرہ کے زندہ رہنے کی ہی امید کی جاسکتی ہے؟ یہ ایک معاشرتی حقیقت ہے کہ جو قوم اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے بھی کشکول گدائی اٹھائے دشمنوں کے در پر بھیک مانگتی پھرے، اسے نہ تو ترقی مل سکتی ہے اور نہ ہی اقوام عالم میں وقار نصیب ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امتِ مسلمہ کا ہیرو، اسلام کا قلعہ پاکستان آج اپنے قیام کے ساٹھ سالوں بعد بھی دنیا کے جاہل ترین ملکوں میں سے ایک ہے۔

گذارشِ احوال

آج کی یہ گنوار دنیا ایک ''گلوبل ویلج'' بنی ہوئی ہے اور اس گاؤں کی باگ ڈور ابلیس کے انہی کارندوں کے ہاتھ میں ہے جنہیں یہود و نصاریٰ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انہوں نے ہی نت نئے قوانین متعارف کروا کر ساری دنیا کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اب تو وہ اقوام متحدہ پر قبضہ جما کر بین الاقوامی اقتدار پر بھی مسلط ہو چکے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ تعلیم کو عام کرنے کے دعویدار یہ وہی لوگ ہیں جو کل تک علم کو ہی شجرہ ممنوعہ قرار دیتے تھے۔ جبکہ دوسری طرف وہ امت مسلمہ جو علوم الٰہیہ اور تعلیمات نبویہ کی وارث تھی، آج وہ اپنی سستی اور عاقبت نااندیشی کے باعث اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے۔ اور اقوام عالم میں ایک فٹبال کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اتنی تابناک ماضی کی حامل امت کا اتنا تاریک حال؟...... جس طرح صدیوں پہلے انہی یہود و نصاریٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کی مخالفت کی، اسی طرح آج بھی وہ ان کے علمی وارثین کی راہوں میں صرف کانٹے ہی نہیں، بلکہ بارود بچھا رہے ہیں...... اور تعجب تو اس بات پر ہے کہ یہ سب کچھ جانتے ہوئے

بھی ہمارے اربابِ اقتدار کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ (۶۷)

اگرچہ موجودہ صورتِ حال قطعی طور پر مسلمانوں کے خلاف ہے اور تمام تر کامیابیاں صیہونت کی ہی نظر آتی ہیں، لیکن نظریئے کی طاقت بہر حال ایک عالمگیر حقیقت ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اسلامی حکومتیں بالعموم اور حکومت پاکستان بالخصوص یہود و نصاریٰ کا طفلِ مکتب بننے کی بجائے اپنی نسلِ نو کی تربیت اسلامی نظریۂ تعلیم کے مطابق کرے۔ ان شاء اللہ اسی چراغِ مصطفوی سے دنیا جگمگائے گی۔

چند تجاویز

اس وقت ہمارا وطنِ عزیز جن مشکلات سے دوچار ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ (۶۸) ایسے روح فرسا حالات میں اگر قوم کی تعلیم و تربیت کا بنیادی ڈھانچہ ہی حالات سدھارنے کی بجائے بگاڑنے کا سبب بن رہا ہو اسے تبدیل کر دینا ہی دانشمندی ہے۔ اسی تبدیلی کے لئے

---

(۶۷) اصل بات تو قومی غیرت کی ہے جو غیروں کی نقالی خود ساختہ طرزِ معاشرت اور انگریزی نظام تعلیم کے بوجھ تلے دب کر رہ گئی ہے اور ڈالروں کی چمک نے اس کی روشنی ماند کر کے رکھ دی ہے۔ آخر ہم کب یہ سمجھیں گے کہ ہماری ترقی اور ہمارا عروج اسلامی طرز تعلیم سے وابستہ ہے۔

(۶۸) جن بچوں کے دماغوں کو زیورِ تعلیم سے چمکایا جا رہا ہے اور ''بڑا آدمی'' بنانے کا وعدہ کر کے جن کی تربیت کی جا رہی ہے، انہی کے متعلق یہ شکایات زبان زد خاص و عام ہیں کہ وہ سرکاری محکموں میں رشوتیں لیتے ہیں، چوریاں کرتے ہیں، چھچھوری حرکتیں کرتے ہیں، مکر و فریب سے ایک طرف حکومت کے خزانوں پر ہاتھ صاف کر رہے ہیں تو دوسری طرف عوام الناس کی جیبوں پر بھاری ثابت ہو رہے ہیں۔ یہ اعلیٰ ڈگریوں کے مالک ہی ہیں جن کی بدولت آج ملکِ پاکستان موجودہ سطح پر پہنچ چکا ہے۔ یہ حال تو ان کا ہے جو سرکاری کرسیوں پر براجمان ہو گئے اور جن مسکینوں کو نوکریاں نہ مل سکیں وہ خود کشیاں کر رہے ہیں یا خدمتِ خلق کے شعبوں کا انتخاب کر کے غیر سرکاری طور پر عوام الناس کی بیماری و پریشانی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔...... یہ چونکہ ہمارے اپنے ہیں اس لئے ان کے اس طرزِ عمل سے تکلیف بھی زیادہ ہوتی ہے۔

آئندہ سطور میں ہم مروجہ نظامِ تعلیم میں پائی جانے والی چند بڑی خامیوں کا ذکر کرکے ان کے ازالہ کے لئے چند معروضات پیش کریں گے تاکہ تعلیمی اداروں کے سربراہان اور اربابِ اقتدار اس حساس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور ماہر علماء کی مشاورت سے ملک کے نظامِ تعلیم کو اسلامی بنانے کی کوشش کریں۔ یاد رہے کہ ہمارا مقصد صرف اسلامی نظریۂ تعلیم کا ایک سرسری خاکہ پیش کرنا ہے۔ سردست جو ماحضر ہے وہی پیشِ خدمت ہے۔ دلِ صد پارہ کی یہ چند ٹوٹی ہوئی قاشیں ہیں، شاید ان کا بھی کوئی خریدار نکل آئے...... **لكل ساقطة لاقطة.**

تعلیم کا مقصد

میکالے کے نظامِ تعلیم کا چونکہ مقصد ہی سرکاری ملازم پیدا کرنا تھا، اسی لئے اس نظام کے تحت پڑھنے والے طلبہ میں یہ سوچ سرایت کرچکی ہے کہ علم حاصل کرنے کا مقصد صرف اور صرف ایک اچھی ملازمت کا حصول ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورتِ حال میں تعلیم خواہ کتنی ہی عام ہو جائے، ایسے مردان کار تیار نہیں کرسکتی جن کی سوچ روٹی اور پیٹ سے آگے بھی جاسکتی ہو۔ اگر تعلیم کا مقصد طلبِ زر و جاہ ہی ٹھہرے تو اس تعلیم سے نہ تو ملک وملت کو کوئی فائدہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی قومی فکر پروان چڑھ سکتی ہے۔

لٰہذا ضروری ہے کہ نونہالانِ قوم کے سامنے تعلیم کا ایک اعلیٰ اور بلند مقصد رکھا جائے اور ان کے ذہنوں میں یہ بات نقش کرادی جائے کہ تعلیم کا مقصد حصولِ معاش نہیں بلکہ اخلاق کی تعمیر ہے، پوشیدہ صلاحیتوں کا نکھار ہے اور مخلوقِ خدا کی خدمت و راہنمائی ہے۔ تاکہ وہ اپنے علم وفن اور ذہانت وصلاحیت سے امت کے لئے مفید ثابت ہوں اور سعادت دارین کے مستحق بنیں۔

نصاب کی تدوین نو

اس وقت اکثر سرکاری اداروں میں مروجہ نصاب تعلیم کے منجملہ نقائص میں سے ایک اہم اور بنیادی خامی یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کو زندگی کے تمام شعبوں سے ختم کرکے صرف چند عبادات اور نجی معاملات تک محدود کردیا گیا ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ دینی تعلیم صرف مسجد اور مدرسہ تک محدود ہوکر رہ گئی ہے) حالانکہ یہ حقیقت ہر ایک کو معلوم ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ جو زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری راہنمائی کرتا ہے۔

اگر ہم ایسے افراد تیار کرانا چاہتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دنیا کے ہر علم و فن میں مہارت حاصل کریں، مغرب کی غلامی کی بجائے علوم وفنون میں اجتہادی بصیرت پیدا کریں اور غیروں کی نقالی کی بجائے قوم کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیں، تو ہمیں ایک ایسا اسلامی نصابِ تعلیم مرتب کرنا ہوگا جو طالبِ علم کی جملہ ضروریات پوری کرتا ہو، اور جس سے طالبِ علم تجارت ومعیشت سے لے کر سیاست وحکومت تک ہر شعبۂ حیات میں استفادہ کرسکے۔

اسلامی ذہنیت

موجودہ عصری نظام تعلیم میں اسلامیات کی عالمگیر حیثیت کو ختم کرکے اسے صرف ایک مختصر سے پیریڈ تک محدود کردیا گیا ہے۔ اور اس میں بھی ماحول، نصاب اور طرزِ تعلیم اس قدر پسماندہ اور مغرب زدہ بنادیا گیا ہے جس سے نہ تو طالب علم میں اسلامی ذہنیت پیدا ہوسکتی ہے اور نہ ہی وہ اسلام کی ابتدائی باتوں سے بھی واقف ہوسکتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے کبھی اپنے نصاب تعلیم کو سنجیدگی سے پرکھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

ہم آج بھی اس خالص نظریاتی اسلامی مملکت میں اپنی نسل کو اسی بے مقصد انداز سے پڑھا رہے ہیں جو مغرب نے ہمارے لئے تجویز کیا تھا۔ یعنی قیامِ پاکستان کے ۶۵ سال

بعد بھی ہم مغرب کی متعین کردہ راہوں پر ہی چلتے جا رہے ہیں۔ اگر ہم غلامی کی اس دلدل سے نکلنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے نصاب سے ان تمام مادہ پرستانہ مغربی افکار کو نکال کر باہر پھینکنا ہوگا اور اسلام کے نظریۂ تعلیم کو عام کرنا ہوگا۔ جب تک ہم اپنے نصاب کو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر سے ہم آہنگ نہیں کر لیتے۔ اس وقت تک ہمارا نظامِ تعلیم اسلامی نہیں کہلا سکتا۔ مثلاً اگر ہم الف سے انار، باء سے بکری کی بجائے یوں پڑھانا شروع کر دیں، الف سے اللہ، باء سے بسم اللہ تو بہتر نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ (۶۹)

(۶۹) اس الجھن کو ذرا وضاحت سے سمجھنے کے لئے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:۔

☆ طلبا کو سائنس اس انداز سے پڑھائی جاتی ہے کہ طالب علم سائنس اور مذہبی عقائد کو بعض اوقات متضاد سمجھنے لگتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو وہ ان عقائد کا ہی انکار کر بیٹھتا ہے یا کم از کم سائنسی گفتگو کے دوران ان کا ذکر کرتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہے۔ حالانکہ سائنس میں کوئی ایسا عنصر نہیں جو دین سے بیزاری پیدا کرتا ہو، بلکہ سائنس تو بذاتِ خود مظاہر قدرت میں غور و فکر کے ذریعے معرفت الٰہیہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے بار بار دفعہ کائنات پر غور و تدبر کرنے کی دعوت دی ہے۔ ہاں، طالب کی اس ذہنی کشمکش کی وجہ وہ مادہ پرستانہ مغربی ذہنیت ہے جس میں فی زمانہ سائنس پڑھائی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طالبِ علم مادے کے پار نہ تو کچھ سننے کے لئے تیار ہے اور نہ ہی کسی غیر مرئی شی کو حقیقت تسلیم کرنے پر آمادہ ہے۔ اسے یہ بات ذہن نشین کرادی گئی ہے کہ کائنات از خود ارتقائی منازل طے کر رہی ہے اور جو چیز نظر نہ آئے اس کے بارے میں سوچنا بھی عبث ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس انداز سے طلبہ کو پڑھایا جائے کہ طالب علم فلسفہ و سائنس کا سبق پڑھ رہا ہو یا فقہ و ریاضی کا، ہر مضمون میں اسلامی طرزِ فکر سمایا ہوا نظر آئے...... مثلاً کہنے کو تو یہ بھی جملے ہیں "آگ جلاتی ہے، پانی پیاس بجھاتا ہے" اگر انہی جملوں کو یوں ذہن میں نقش کر دیا جائے کہ "اللہ نے آگ میں جلانے اور پانی میں پیاس بجھانے کی صلاحیت رکھی ہے" تو بار بار یہ جملے سامنے آکر ان شاء اللہ العزیز ایک مثبت تبدیلی پیدا کریں گے۔

☆ اسی طرح ریاضی میں طالب علم سود در سود کے طریقوں سے تو واقف ہو جاتا ہے مگر میراث اور زکوٰۃ نکالنے کے اصولوں سے نابلد رہتا ہے۔ اسی طرح اوقات نماز کی اسے خبر تک نہیں ہوتی۔

☆ جغرافیہ پڑھتے ہوئے دنیا جہاں کی زمین تو ناپ لیتا ہے مگر سمت قبلہ اور مواقیت احرام سے آشنا ہی نہیں ہوتا۔

☆ معاشیات کا طالب علم یہی جانتا ہے کہ دنیا کے دو بنیادی معاشی نظام ہیں۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت۔ اسلام کے نظام معیشت کی تو اسے ہوا بھی نہیں لگتی۔ حالانکہ دنیا کا کامیاب ترین نظامِ معیشت اسلام نے ہی متعارف کروایا ہے۔

☆ یہی حالت عمرانیات، سیاسیات اور نفسیات کی ہے۔ انہیں پڑھتے ہوئے بھی طالب علم اسلامی نقطۂ نظر سے کورا ہی رہتا ہے۔ کیونکہ ہمارے نصاب میں ان علوم کے متعلق مسلمان اکابرین کی کاوشوں اور علمی کارناموں کا کوئی معقول تذکرہ نہیں ہے۔

خلاصہ از ہمارا تعلیمی نظام ص ۱۸ تا ۲۲

نصابی کمیٹی

یہ بھی ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ہر نصاب میں ہمیشہ اس کے مرتبین کے ذہنی رجحانات کا عکس نظر آتا ہے، جو طلبہ کے ذہنوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مرتبین جس طرز کا نصاب تیار کرتے ہیں ہیں، طلبہ بھی اسی سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ موجودہ نصاب تعلیم چونکہ اہلِ مغرب نے خالصۃً مادی فکر کے ساتھ ترتیب دیا ہے اس لئے شعوری یا غیر شعوری طور پر طلبہ میں مادہ پرستی ہی سرایت کرتی جارہی ہے۔

ہماری یہ قومی اور اجتماعی غلطی ہے کہ ہم نے اسی مغربی نصاب کو اپنالیا ہے جس سے مادیت پرستی کے سوا کسی بھلائی کی توقع ہی فضول ہے۔ مادہ پرستانہ ذہنیت کے اثراتِ بد کو زائل کرنے اور نصاب تعلیم کو اسلامی بنانے کا آسان سا طریقہ یہ ہے کہ ازسرِ نو نصاب ترتیب دیا جائے، اور اس کی ترتیب وتدوین کی ذمہ داری ایسے صالح افراد کو سونپی جائے جو اپنے علوم وفنون میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کا وسیع علم رکھتے ہوں، تدریس سے مخلص ہوں، ان کے علم وفضل اور فہم وبصیرت پر قوم اعتماد کرتی ہو۔ ایسے حضرات سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایک ایسا نصاب مرتب کریں جو معاشرے میں اسلامی روح پھونک دے۔

اسلامیات کی معیاری تعلیم

یہ مشاہدہ ہے کہ فی الوقت ہمارے تعلیمی اداروں میں مروج نظامِ تعلیم سے استفادہ کرنے والوں کی اکثریت میں اسلام اور اسلامی طرزِ عمل سے مسلسل بُعد پیدا ہوتا جارہا ہے۔ آج جن خاندانوں میں یہ تعلیم چوتھی یا پانچویں پشت تک پہنچ چکی ہے، ان میں اسلام کا صرف نام ہی باقی رہ گیا ہے، اسلام کی عام اور بنیادی تعلیمات سے بھی یہ لوگ واقف نہیں۔ اس علمی

زوال کی منجملہ وجوہات میں سے ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے پورے نصابِ تعلیم میں اسلامیات کو صرف ایک مخصوص پیریڈ تک محدود کر دیا ہے اور اس کا بھی ماحول اور معیار اتنا پست ہے کہ جن اسلامی تعلیمات کی ایک مسلمان کو عملی زندگی میں ضرورت پیش آتی ہے، طالبِ علم ان تعلیمات کے ہزارویں حصے سے بھی نابلد ہی رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود دین کے بنیادی امور سے بھی ناواقف ہو، اس سے اسلامی طرزِ حیات اپنانے کی توقع ہی عبث ہے۔

اگر خدانخواستہ حالات ایسے ہی چلتے رہے اور ہم نے اپنے معیارِ تعلیم کو بہتر بنانے کی کوشش نہ کی تو خاکم بدہن ہمارے تعلیمی اداروں سے ایسے ہی مسلمان پیدا ہوتے رہیں گے جن کا نام تو مسلمانوں سا ہوگا مگر وہ خود اسلام سے کوسوں دور ہوں گے۔

ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم نے چونکہ مسلمان بچوں کو تعلیم دینا ہے لہٰذا اسلامیات کو پورے نصاب پر حاوی ہونا چاہئے۔ اسلام نے ہر شعبۂ حیات کے متعلق جو ہدایات دی ہیں، طالب علم کم از کم ان کے مبادیات سے واقف ہو اور اپنی روزمرہ زندگی میں ان سے استفادہ کر سکے۔

درس گاہوں کا ماحول

طالبِ علم کی عملی زندگی میں جتنے اثرات نصابِ تعلیم کے مرتب ہوتے ہیں اتنے ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ اثرات ماحول کے مرتب ہوتے ہیں۔ ہر بچہ فطرتاً اپنے ماحول سے سیکھتا ہے اور جیسا ماحول ہو، اسی کے مطابق ڈھل جاتا ہے۔ ایک طالب علم اپنے ادارے کے اساتذہ سے، طلبہ کے رجحانات سے، نظم وضبط سے، تقریبات سے، روایات سے، کھیل کود اور

تفریحات سے، حتیٰ کہ اس کے درو دیوار سے بھی سیکھتا ہے۔ غرضیکہ درسگاہوں کی مجموعی فضا طلبہ کے قلوب واذہان پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لہٰذا صحیح اور پختہ اسلامی ذہن تیار کرنے کے لئے درسگاہوں کے ماحول کو اسلامی بنانا نہایت ضروری ہے۔

بدقسمتی سے اس وقت ہمارے درسگاہوں سے نظم وضبط، تحمل و بردباری، تہذیب و شائستگی، وقار واحساس ذمہ داری اور عفت و پاکدامنی جیسی خصوصیات رخصت ہو چکی ہیں۔ اب تقویٰ کی جگہ فیشن، ادب واحترام کی جگہ مادر پدر آزادی، اختلاف رائے کی جگہ مخالفت، اخوت کی جگہ عداوت، برداشت کی جگہ احتجاج، اور قلم و کتاب کی جگہ اسلحہ نے لے لی ہے۔ آئے روز طلبہ تنظیموں کی لڑائیاں، جائز و ناجائز مطالبات منوانے کے لئے اوچھے ہتھکنڈے، اساتذہ اور منتظمین کی پگڑیاں اچھالنا اور ایسی ہی دیگر خصلتیں ہماری دانش گاہوں کا تعارف بن چکی ہیں۔

ہمارے تعلیمی اداروں کے ماحول کی یہی وہ ناگفتہ بہ صورت حال ہے جس کی وجہ سے علمی انحطاط اور اخلاقی گراوٹ پیدا ہو رہی ہے، ایک طرف تو اربابِ بست وکشاد کی سرپرستی میں بدمعاشوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل رہا ہے۔ علمی ماحول تباہ و برباد ہو کر رہ گیا ہے اور حد تو یہ کہ تعلیم گاہیں ہی ان غنڈوں کی اقامت گاہیں بن چکی ہیں اور دوسری طرف ان ذہین طلبہ کی صلاحیتیں زنگ آلود ہو رہی ہیں جو کسی تنظیم سے وابستہ نہیں۔

ایسے حالات میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے طلبہ کو مہذب اور اسلامی اقدار کے مطابق صاف ستھرا ماحول فراہم کریں اور اپنی درسگاہوں کو ایسا بنا دیں کہ وہ صرف تعلیم گاہیں ہی نہ رہیں بلکہ علمی اور اخلاقی تربیت گاہیں بنیں۔

اساتذہ کے تقرر کا معیار

بلاشبہ تدریس ایک فن ہے اور مسندِ تدریس پر وہی متمکن ہو سکتا ہے جو اس فن کا ماہر ہو۔ کسی نااہل کو مسند تدریس سونپنا گویا نسلِ نو کے مستقبل کو داؤ پر لگانا ہے۔ جس طرح کسی بے ہنر کو کوئی موٹر مشین ٹھیک کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی اسی طرح اسے قوم کے مستقبل پر طبع آزمائی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جب عام ٹیکنیکل کاموں کے لئے خاص رجحان، متعلقہ تعلیم و تربیت، میرٹ اور مطلوبہ استعداد کا ہونا لازمی ہے تو نسلِ نو کے ذہن اور شخصیت کے تعمیر کے لئے بھی اساتذہ کے تقرر کا بلند معیار ہونا ضروری ہے۔

بد قسمتی سے اس وقت ہمارے تعلیمی اداروں میں متعین اساتذہ کی غالب اکثریت نے نہ تو ملی اور قومی جذبے سے سرشار ہو کر اس مسند کا انتخاب کیا ہے اور نہ ہی اپنے فطری رجحان کی وجہ سے، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو ہر طرف سے مایوس ہو کر اس منصب پر رونق افروز ہوئے ہیں۔ اور حد تو یہ ہے کہ بڑی تعداد اپنی قابلیت کی بجائے محض سفارش کے بل بوتے پر "استاذ" بنی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کا نظام تعلیم بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے۔

اگر ہم اپنی قوم کو ایک مثالی نظام تعلیم دینا چاہتے ہیں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسے اساتذہ کا تقرر کیا جائے جو حکمت و بصیرت، صدق و امانت، احساسِ ذمہ داری، قوتِ فیصلہ، نظم و ضبط، علمی قابلیت، علم و عمل میں مطابقت، اکتسابی خصوصیات، حسنِ سلوک، دین فہمی، اپنے عیوب پرکھنے کی صلاحیت، تدریس سے لگاؤ، متعلقہ مضمون میں مہارت، سادہ اور آسان لفظوں میں بات سمجھانے کا سلیقہ، قومی مقاصد تعلیم سے آگہی، اسلامی نظریہ حیات سے وفاداری، طلبہ کی نفسیات سمجھنے اور مناسب و برقت راہنمائی پر قدرت جیسی عمدہ صفات سے متصف ہو..... غرضیکہ صرف اور صرف باصلاحیت افراد کو ہی مسند تدریس سونپا جائے اور پھر اساتذہ کے مختلف اجتماعات، بحث و مباحثے اور جدید تحقیقات کے ذریعے قوم کے ان معماروں میں وہ تڑپ اور جذبہ بھر دیا جائے جو کبھی ہمارے اکابرین کا خاصہ تھی۔

استاذ کے فرائض

ہماری تعلیم گاہوں نے جہاں دیگر بہت سے فتنوں کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے، وہیں ایک بہت بڑی مصیبت یہ بھی ہے کہ معمارانِ قوم اپنے فرائض سے غافل بلکہ لاتعلق ہو چکے ہیں۔ وہ کلاس میں تشریف لانا ہی ضروری نہیں سمجھتے۔ اگر کوئی استاذ بڑا ہی وقت کا پابند ہو تو بھی اپنے مقررہ وقت پر کلاس میں آتا ہے، اس کا نصف وقت طلبہ کی حاضری چیک کرتے گزر جاتا ہے، اور بقیہ وقت میں ''لیکچر سنانے'' کی ڈیوٹی دے کر چلا جاتا ہے۔ اس کے طلبہ کس حال میں ہیں؟ علمی قابلیت کیسی ہے؟ کن مشاغل میں ہیں؟ اخلاقی تنزلی کیوں پیدا ہو رہی ہے؟ ان کی اصلاح کیسے ممکن ہے؟...... ایسے تمام امور پر توجہ دینا، استاذ اپنے فرائض سے خارج سمجھتا ہے۔

اب تو اساتذہ کرام نے متعلقہ مضمون میں اپنی کمزوری یا عدمِ دلچسپی کا ذمہ دار ''وقت کی کمی'' کو ٹھہرا کر اس کا حل بھی خلاصوں، منتخب مضامین اور گیس پیپرز کی صورت میں نکال لیا ہے۔ شاید اساتذہ کی اسی غفلت کے پیشِ نظر علامہ محمد اقبال نے کہا تھا:۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

ایسے حالات میں نہ تو بچوں کو شاہین بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی ایسی تعلیم کی بنا پر ان سے تعمیرِ قوم کی توقع کی جا سکتی ہے۔

اسلامی نظامِ تعلیم میں استاذ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی شخصیت و کردار طلبہ کے لئے ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام نے والد سے بڑھ کر استاذ کو اگر حقوق دیئے ہیں تو اسے کچھ ذمہ داریاں بھی سونپی ہیں۔ روحانی والد کی حیثیت سے وہ طلبہ کی صرف اچھی

تعلیم ہی نہیں بلکہ بہترین تربیت کا بھی ذمہ دار ہے۔ اس کا فرض منصبی صرف کتاب رٹوانا ہی نہیں بلکہ طلبہ کی زندگی کے ہر پہلو کی نگرانی کرنا بھی ہے۔ لہٰذا اساتذۂ کرام اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں تاکہ ملت کی کشتی کو منجدھار سے نکالا جاسکے۔

استاذ کا مقام و مرتبہ

بدقسمتی سے ہمارے تعلیمی اداروں کا ماحول ایسا بن چکا ہے جس میں طالب علم کو تعلیم و تعلم کا مرکز اور استاذ کو صرف ایک تنخواہ دار ملازم ہی سمجھا جاتا ہے۔ یہی وہ افتاد ہے جو طلبہ کو بے ادب بنا رہی ہے۔ اس دلسوز صورتحال پر علامہ محمد اقبال نے تو اپنے دور کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

نوجوانے را چوں بینم بے ادب　　　روزِ من تاریک می گردد چوں شب

مگر اب تو حالات اس سے بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ طلبہ کا اپنے اساتذہ سے بے ادبانہ تکلم، اپنے ہی اساتذہ پر عدمِ اعتماد، ان کے خلاف احتجاج بلکہ اب تو اساتذہ سے بدتمیزی اور ان پر تشدد کرنا بھی معمول بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کا ذہین طبقہ پیشۂ معلّمی سے کنارہ کشی میں ہی عافیت سمجھتا ہے۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ جہاں ایک طرف تو ان پڑھ ساستدانوں کو بے تحاشا مراعات ملیں، فلمی ایکٹروں کو قومی اعزازات ملیں، کھلاڑیوں کو بہترین سہولیات ملیں اور خوشامدیوں کو ملک کے بڑے بڑے عہدے سونپ دیئے جائیں، جبکہ دوسری طرف وہ استاذ جو معاشرے کا محسن بھی ہے اور قوم کا نجات دہندہ بھی، اسے معاشرت میں عزت و وقار دینا تو درکنار، کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہو۔ وہ بے چارہ حالات کی چکی میں پستا رہے اور اس کی معاشی اور معاشرتی حالت ایک عام ملازم اور تاجر سے بھی کمتر ہو...... وہاں باصلاحیت افراد استاذ بننا

پسند کریں گے؟...... ایسے میں جو بے چارے استاذ بن ہی گئے ہیں، ان سے یہ توقع کرنا کہ ''اساتذہ جذبۂ پیغمبری سے کام کیوں نہیں کررہے'' کیا یہ امید بے جا نہیں ہے؟

یقیناً یہ ایک تشویشناک صورتحال ہے جس نے ہمارے تعلیمی نظام کو کھوکھلا کردیا ہے۔ اس دلخراش اور سنگین صورتحال سے نکلنے کے لئے ہمیں اسلام کی ان تعلیمات کو مشعلِ راہ بنانا ہوگا جو استاذ کے مقام و مرتبہ کو واضح کرتی ہیں۔ اور بحیثیتِ قوم ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ انہی کے وجود سے ہماری قسمت وابستہ ہے، ان کی توقیر میں ہی ہماری عزت ہے، وہی ہماری صلاحیتوں کا سرچشمہ ہیں، ہمارے طائر روحانی کی پرواز بھی انہی کے دم سے ہے، اور وہی ہماری امیدوں اور تمناؤں کے مرکز ہیں۔ ان کے علمی و تحقیقی کاموں کی سرکاری سطح پر حوصلہ افزائی کی جائے اور کارکردگی کی بنا پر انہیں ترقی اور معقول مشاہرے دیئے جائیں تاکہ وہ خانگی ضروریات سے مطمئن ہوکر تعلیم و تربیت کو پوری توجہ دے سکیں۔

تعلیمی زبان

انگریز نے تو ہمارے نظام تعلیم سے اسلامی زبانوں (اسلام کی مادری زبان عربی اور معاون زبان فارسی) کو ختم کرکے، اردو کو صرف زبان و ادب تک محدود کرنے اور انگریزی کو تعلیمی زبان کے طور پر متعارف کرانے کی پالیسی اس لئے اپنائی تھی کہ ایک طرف تو ان بدیسی آقاؤں کو اپنی دیسی رعایا پر حکمرانی کے لئے ایسے ''نوکروں'' کی ضرورت تھی جو حاکم و محکوم کے درمیان ترجمانی کرسکیں اور دوسری طرف ان کا مقصد یہ تھا کہ طلبہ ایک اجنبی زبان کی بھول بھلیوں میں ہی کھو کر اپنے مذہب و ثقافت اور قومی جذبات سے غافل ہوجائیں۔ (۷۰)

---

(۷۰) انگریزوں کی آرزو پوری ہوئی، بدقسمتی سے انگریزی پڑھنے والی اکثریت فکری اعتبار سے انگریز ہی بنی۔ امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا نے آج سے تقریباً ایک صدی بیشتر اس سازش کی نقاب کشائی کرتے ہوئے کتنا بروقت فرمایا تھا:......

انگریزی اور بے سود تضییع اوقات تعلیمیں، جن سے کچھ کام دین تو دین دنیا میں بھی نہیں پڑتا۔ صرف اس لئے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے ان مہملات میں مشغول ہوکر دین سے غافل ہوجائیں، تاکہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو، وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا ہے؟ کنز الایمان ص ۸۳، مثالی نظام تعلیم ص ۲۲۵، امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم

ہماری بدنصیبی کہ یہاں سے انگریز تو چلے گئے، ان کے فضلہ خوار باقی رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سائنس اور دیگر فنی علوم پھر بھی انگریزی ہی میں پڑھائے جاتے رہے۔ نوبت بایں جا رسید کہ اب تو ابتدائی قاعدہ سے ہی، مکمل نصابِ تعلیم کو انگریزی میں ہی منتقل کردیا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ انگریزی زبان کو ہی ذریعۂ تعلیم بنالیا گیا ہے۔

خدا جانے ہمارے مفکرین کیوں اس احساسِ کمتری کا شکار ہیں کہ علم وفن صرف انگریزی میں ہی سمجھا سمجھایا جاسکتا ہے، اور حکمت ودانائی صرف گوری چمڑی کو ہی زیب دیتی ہے، دیگر قوموں کا اس پر کوئی حق نہیں، البتہ اگر کوئی علم وحکمت حاصل کرنا چاہے تو ان کی زبان میں کوشش کرسکتا ہے۔ حالانکہ اس غیر مانوس زبان کو تعلیمی زبان بنانے سے مندرجہ ذیل خرابیاں پیدا ہورہی ہیں۔

(i) طلبہ کا بہت سا وقت اور صلاحیتیں صرف اس اجنبی زبان کو سمجھنے میں ہی ضائع ہوجاتی ہیں۔ پھر بھی یہ کم بخت ایسی ہے کہ "آتی ہے نہ جاتی ہے"۔ مدت العمر طلبہ اس کی مشکلات سے ہی دوچار رہتے ہیں اور جب یہ مشکلات کچھ دور ہوتی ہیں تو وہ عمر اور نصاب کے اس حصے میں ہوتے ہیں جہاں وہ صرف نقالی کرسکتے ہیں یا رٹا لگاسکتے ہیں، اپنے مضامین کے مبادیات کو مضبوط نہیں کرسکتے۔

(ii) ابتدائی طلبہ کی ساری توانائیاں چونکہ انگریزی پر ہی صرف ہورہی ہیں، جس کے نتیجے میں خود اپنی مقامی اور قومی زبانوں کی حالت ناگفتہ بہ صورت اختیار کرتی جارہی رہے۔ طلبہ اردو بولنے میں بنیادی غلطیاں کرنے لگے ہیں، پڑھنے میں ہچکچاتے ہیں اور لکھنے کا تو خدا ہی حافظ ہے۔ بھلا جس قوم کی اپنی کوئی زبان ہی نہ ہو، وہ بھی تعلیم یافتہ کہلانے کی مستحق ہوسکتی ہے؟

(iii) سارے طلبہ ایک جیسے ذہین نہیں ہوتے۔ کسی بھی معاشرے میں زیادہ سے زیادہ 25 فیصد لوگ ہی ذہین ہوتے ہیں جبکہ 50 فیصد متوسط اور بقیہ 25 فیصد ادنی ذہانت کے مالک ہوتے ہیں۔ اور اگر معاشرہ بھی ہمارے جیسا ''مسائل میں گھرا ہوا'' ہو تو ذہانت کا گراف اور بھی گر جاتا ہے۔ آپ خود سوچیں کہ ایک ایسے معاشرے میں، جہاں پہلے سے ہی لوگوں کی ایک بڑی تعداد اپنی غربت یا جہالت کی وجہ سے اپنے بچوں کو تعلیم نہ دلوا سکے، وہاں مقامی یا قومی زبان کی بجائے ایک غیر مانوس زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دینے کا مطلب کیا عوام کو علم سے مزید دور کرنا نہیں؟...... معاشرے کے اس پسے ہوئے طبقہ کو جو تعلیم اپنی زبان میں نہ دی جا سکی، وہ غیر ملکی زبان میں دی جا سکتی ہے؟

(iv) ہم نے اپنے بچوں کو انگریزی پڑھنے میں تو مصروف کر دیا ہے مگر نہ تو اسلامی تعلیمات کے مطابق انہیں نصابی اور معاون کتب مہیا کی ہیں اور نہ ہی بحیثیت مسلمان ان کی سیرت و کردار میں پختگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ طلبہ اپنی خام خیالی کی بنیاد پر انگریزی تہذیب و ثقافت سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ حتی کہ ان کی عقل و فکر کے انداز، اٹھنے بیٹھنے کے اطوار، ہر چیز میں انہی کا عکس نظر آتا ہے۔ اسلام کی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ گویا انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنا کر ہم اپنے ہاتھوں سے اپنی نسل انگریز بنا رہے ہیں۔

(v) جب سے انگریزی ہماری تعلیمی زبان قرار پائی ہے، اس وقت سے اس زبان میں ہونے والی تمام تحقیقات و تجربات (خواہ وہ مسلمانوں نے ہی کئے ہوں) سے فائدہ اہل یورپ ہی حاصل کر رہے ہے۔ عملاً ہمارے معاشرے کی اکثریت کو ان کی ہوا بھی نہیں لگتی۔

یاد رکھیں کہ علم و حکمت کی کوئی زبان نہیں ہوتی، ان کی بنیاد تو طلب صادق اور جہد

مسلسل پر ہوتی ہے۔ اہل یورپ نے یہ راز جان لیا اور ہماری ہی تحقیقات کو مشعل راہ بناتے ہوئے وہ عروج حاصل کر لیا جو آج ہماری عقل کو خیرہ اور آنکھوں کو چکا چوند کر رہا ہے۔ ہمارے ارباب فکر و دانش یا تو یہ حقیقت سمجھ ہی نہیں پائے یا پھر اپنے مفادات کی خاطر قوم کو انگریز کے چنگل سے نکالنا نہیں چاہتے۔ ورنہ دنیا کی خود مختار قومیں عملاً یہ ثابت کر چکی ہیں کہ تعلیم و ترقی انگریزی کی محتاج نہیں، چین اس کی واضح مثال ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر ہم یہ گذارش کرتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم مقامی اور قومی زبانوں میں دی جائے، تاکہ حصولِ علم میں طلبہ کو آسانی رہے۔ میٹرک کے بعد اگر کوئی بین الاقوامی رابطہ کی زبان ہونے کی وجہ سے بنیتِ خیر انگریزی پڑھنا چاہے تو اختیاری مضمون کے طور پر اسے پڑھانا چاہئے۔

صنعتی تعلیم

ہمارے ہاں ''تعلیم برائے ملازمت'' کے تصور نے جہاں طلبہ کی فکری صلاحیتوں کو گہنا دیا ہے وہیں ملازمت کے مواقع کم ہونے کی وجہ سے انہیں احساسِ محرومی میں بھی مبتلا کر دیا ہے۔ جبکہ یہ کھلی حقیقت ہے کہ کوئی بھی ملک اپنی ساری آبادی کو ملازمت مہیا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہر ملازم کو اوسطاً 25 سے 35 سال تک ملازمت کا حق حاصل ہوتا ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ اس طویل عرصہ میں کتنے لوگ ہوں گے جو اتنی ہی یا اس سے بھی زیادہ تعلیم حاصل کر کے اس ''سیٹ'' کے منتظر ہوں گے؟ اور پھر ملازمت نہ ملنے کی صورت میں احساسِ بیروزگاری انہیں کسی حد تک پریشان کر دے گا؟......(۷۰)

(۷۰) اسلام نے خواتین کو معاشی جدوجہد سے مستثنیٰ قرار دے کر جہاں اس خود ساختہ بیروزگاری میں کم از کم 50 فیصد کمی کر دی ہے وہیں بہتر معاشرے کا موزوں تصور بھی پیش کر دیا ہے۔ یہ ملازمت نسواں تو دراصل برطانوی پارلیمنٹ کی اپنے معاشرے میں پستی عورتوں کی ''اپنے حقوق کے لئے جدوجہد'' کے خلاف گھناؤنی سازش تھی، جس میں نہ صرف یہ کہ بطور سزا ان پر اضافی (معاشی) بوجھ لاد دیا گیا بلکہ انہیں چراغ خانہ سے شمع محفل بھی بنا دیا گیا۔ ؛ مثالی نظام تعلیم ص ۲۶۰

یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی بھی معاشرے کے سبھی لوگ اعلیٰ ذہانت کے مالک نہیں ہوتے، متوسط ذہن رکھنے والی اکثریت نہ تو اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکتی ہے اور نہ ہی فلسفیانہ موشگافیوں کی متحمل ہوسکتی ہے۔ معاشرے کی اس اکثریت کو وہ علوم پڑھاتے رہنا جو نہ تو انہیں دنیا میں کارآمد ہوں اور نہ ہی دین میں نفع بخش ہوں، کوئی عقل مندی نہیں۔ انہیں تو ان کے رجحان کے مطابق فنی اور صنعتی تعلیم دینے کی ضرورت ہے جو انہیں پیشہ وارانہ مہارت دے سکے۔ اس صورتحال کے متعلق علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

"میری رائے میں صنعتی تعلیم اعلیٰ تعلیم سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ صنعتی تعلیم سے عامہ خلائق کی اقتصادی حالت سدھرتی ہے اور یہی طبقہ قوم کے لئے بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہے، بخلاف اس کے اعلیٰ تعلیم صرف ان چند لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے جن کی دماغی قابلیت درجہ اوسط سے بڑھی ہوتی ہے۔(۷۱)

ہمیں اپنے نظام تعلیم میں صنعت وحرفت کی تعلیم کے لئے طلبہ کو تجرباتی ماحول فراہم کرنے اور ان میں تحقیق وجستجو کا جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اربابِ اقتدار پر بھی لازم ہے کہ ملکی وسائل کا خاطر خواہ حصہ سائنس وٹیکنالوجی کی تعلیم پر صرف کریں تاکہ ہم دفاع اور معیشت دونوں میدانوں میں خودکفیل ہوسکیں اور ملکی تعمیر وترقی میں غیروں کا دست نگر نہ ہونا پڑے۔

تعلیم کے نام پر کاروبار

تعلیم کاروبار تھی تو نہیں، اب بنادی گئی ہے۔ جگہ جگہ لوگوں نے سرمایہ کاری کرکے پرائیویٹ اسکول، کالج اور ٹیوشن سنٹر قائم کرلئے ہیں جو حسبِ توفیق (اپنی شہرت اور سٹیٹس کے مطابق) قوم میں تعلیم بیچ رہے ہیں۔ اور وہ پڑھے لکھے بیروزگار جن کی نہ تو اخلاقی تربیت

(۷۱) مقالات اقبال ص ۱۴۱، بحوالہ مثالی نظام تعلیم ص ۹۱۔ ۲۹۰

ہو سکی اور نہ ہی انہیں کوئی دوسری نوکری مل سکی، ان اداروں میں کم سے کم تنخواہ پر قوم کے مستقبل پر تجربات کر رہے ہیں۔ تعلیم کے نام پر ہونے والے اس کاروبار کا رجحان یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ اسکولوں میں متعین اساتذہ بھی ٹیوشن کے چکر میں، دورانِ تدریس بھی اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہے۔

زیادہ سے زیادہ کمائی کے لئے ہر ادارے نے ''نظم وضبط'' کے نام پر پیسے بٹورنے کا ہر ممکن طریقہ اپنا رکھا ہے۔ ہر ادارے نے اپنی مخصوص کتابیں، مخصوص کاپیاں، مخصوص بیگ، مخصوص یونیفارم، مخصوص کلر، مخصوص چارٹ غرضیکہ ہر وہ چیز مخصوص کر رکھی ہے جو سوائے ادارے کے مخصوص دوکاندار کے مارکیٹ میں کہیں سے نہ مل سکے۔ ایسے ہی مفاد پرست اداروں اور بے حس دوکانداروں کی ملی بھگت سے تعلیم انتہائی مہنگی ہو چکی ہے۔ حصولِ زر کا یہ شوق ہمارے نظامِ تعلیم کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔ خدانخواستہ اگر حالات ایسے ہی رہے تو وہ دن دور نہیں جب غریب و متوسط کے لئے علم ہی جنسِ نایاب ہو جائے۔

یہ پڑھے لکھے ''سرمایہ کار'' اپنے ذاتی مفاد کے لئے تو کچھ بھی کر سکتے ہیں مگر نسلِ نو کی معاشی حالت اور ان کے وقت کی نزاکت سے نہ تو واقف ہیں اور نہ ہی واقف ہونا چاہتے ہیں، انہیں تو بس اپنی فیس سے غرض ہے۔ اسی خود غرضی کی بنا پر استاذ اپنے منصب سے اتر کر محض ایک نوکر بن گیا ہے...... نہ تو ایسا استاذ تعمیر انسانیت کر سکتا ہے اور نہ ہی ایسے ادارے سے ایثار و ہمدردی پر مبنی تعلیم کی توقع کی جا سکتی ہے۔

ان مفاد پرستوں کے چنگل سے قوم کو چھڑانے کے لئے ماہرینِ تعلیم توجہ دیں۔ برساتی کیڑوں کی طرح کھلنے والے ان تمام اداروں کو قومی دھارے میں شامل کریں اور ایک قومی ضابطۂ اخلاق وضع کر کے ان پر نافذ کریں۔ تاکہ تعلیم کے نام پر ہونے والے دھندے کو روکا جا سکے اور علم کی روشنی ملت کے غرباء میں بھی بانٹی جا سکے۔

مخلوط تعلیم

اب تک ہمارے نظامِ تعلیم کے غیر اسلامی ہونے کی ایک بڑی وجہ مخلوط تعلیم بھی رہی ہے۔ طلبہ اور طالبات کو مشترکہ طور پر تعلیم دینا مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر غلط اور خطرناک ہے۔

۱۔ مرد و زن کا یہ اختلاط ان اسلامی تعلیمات کے یکسر مخالف ہے جن کے سانچے میں ہم اپنے نظام تعلیم کو ڈھالنا چاہتے ہیں۔ (۷۲)

۲۔ قدرت نے مرد و عورت دونوں کو الگ الگ مقاصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا دونوں کی تعلیم بھی ان کے مقاصدِ حیات کے لحاظ سے مختلف ہونی چاہئے۔ جو نصاب و نظام مرد کے لئے مفید ہو سکتا ہے، ضروری نہیں کہ وہ عورت کے لئے بھی مفید ہو۔ اس وجہ سے عورتوں کا نظامِ تعلیم مردوں سے بالکل الگ ہونا چاہئے۔ جبکہ موجودہ نظامِ تعلیم میں دونوں کو یکساں تعلیم دی جاتی ہے، جو نتائج کے لحاظ سے مفید نہیں ہو سکتی۔

۳۔ مخلوط تعلیم کی وجہ سے تعلیم کا معیار پست ہوا ہے۔ طلبہ تعلیم پر توجہ دینے کی بجائے دیگر فضولیات میں زیادہ مشغول رہتے ہیں۔

۴۔ مخلوط تعلیم کی وجہ سے طلبہ میں جو مسلسل اخلاقی گراوٹ پیدا ہو رہی ہے وہ بھی اب کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں رہی۔ (۷۳)

غرضیکہ مخلوط تعلیم ایک طرف اسلام کے منافی ہے اور دوسری طرف طلبہ کے اخلاق و کردار کے لئے سم قاتل ہے۔ لہٰذا کسی طرح بھی اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

---

(۷۲) ذرا سوچئے کہ! اگر الہامی تعلیمات بھی، اس طرح کے فاسقانہ ماحول میں پڑھائی جاتی رہیں تو نتیجہ میں باقی سب کچھ تو ہوگا، مگر اسلامی روح نظر نہیں آئے گی۔

(۷۳) خلاصہ از ہمارا تعلیمی نظام ص ۲۷

ایک نظامِ تعلیم

دنیا کی ہر نظریاتی مملکت کے لئے قومی نظریہ تعلیم کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ آپ کو پوری دنیا میں کوئی ایسی نظریاتی مملکت نظر نہیں آئے گی جہاں تعلیم مختلف انتظاموں کے تحت دی جارہی ہو۔ مگر پاکستان دنیا کا واحد نظریاتی ملک ہے جس کا کوئی قومی اور اجتماعی نظام نہیں۔ اگر کوئی نظریہ ہے بھی تو عملاً نافذ نہیں، یہاں سرکاری سے زیادہ غیر سرکاری ادارے ہیں، اردو سے زیادہ انگلش میڈیم اسکول ہیں اور ہر تعلیمی ادارے کا اپنا علیحدہ ہی لباس ہے، الگ ہی نصاب ہے، اپنا ہی نظام ہے، ہر چیز دوسرے اداروں سے جدا ہے۔ اس سے بڑھ کر ہماری نااہلی کیا ہوگی کہ ایک قوم ہونے کے باوجود آج تک ہم ایک نظامِ تعلیم پر یکجا نہیں ہوسکے؟ اس رنگا رنگ نظامِ تعلیم سے ملت کا شیرازہ منتشر ہورہا ہے۔ اربابِ اختیار کو اس طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

تعلیمی لباس

کوئی بھی مناسب لباس انسان کی اور باقاعدہ یونیفارم طلبہ کی ضرورت ہے، اگرچہ اسلام کسی مخصوص لباس کو ضروری قرار نہیں دیتا، تاہم اس سے امیر و غریب کا فرق مٹانے، تمام طلبہ کو یکساں نظر آنے، متوازن فکر و عمل پروان چڑھانے اور ادارے کے نظم و ضبط کو بہتر بنانے میں مدد ملتی ہے۔

وطنِ عزیز کے تعلیمی اداروں میں اس وقت انگریزی لباس یونیفارم کے طور پر رائج ہے، اس کی خرابی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ کا لباس ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے ناپسندیدہ ہیں اور ہمیں ان کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ میکالے

کی اس پالیسی کے مطابق ہے کہ:

ہمیں اس وقت بس ایک طبقہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر ذوق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم وفراست کے نقطۂ نظر سے انگریز ہو۔ (۷۳)

دنیا کی ہر قوم اپنے قومی لباس کو ہی فروغ دیتی ہے۔ ہمیں بھی اپنے ملی مفاد اور بین الاقوامی حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنے تعلیمی اداروں میں اسلامی تقاضوں کے مطابق لباس مخصوص کرنا چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ کو سفید اور سادہ لباس پسند تھا اسے ہی بطور یونیفارم اپنانا چاہئے۔ لباس کی سفید رنگت سے صاف ستھرا رہنے میں مدد ملے گی اور سادہ لباس جہاں والدین کی جیب پر ہلکا ثابت ہوگا، وہیں طلبہ کو سادہ طرزِ حیات اپنانے کی بھی عادت ڈالے گا۔ (۷۴)

غرضِ مدعا

ہمارا مقصد موجودہ نظامِ تعلیم کے کسی ایک حصہ میں تبدیلی کرنا ہی نہیں، بلکہ پورے نظام کی اصلاح ہے۔ اس کے مقاصد، نصاب، ماحول، طریقہ تدریس بلکہ خود اساتذہ کا ذہن حتی کہ ہر چیز ہی انقلابی تبدیلی کا تقاضا کرتی ہے۔ اور یہ کام ازسرنو پورے تعلیمی نظام کو اسلامی بنیادوں پر استوار کئے بغیر ممکن نہیں۔ موجودہ حالت میں اگرچہ ایسا کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے مگر جہدِ مسلسل اور بھرپور کوشش سے کیا نہیں ہوسکتا؟ ہمارے لئے تو اس کی واضح مثال بھی موجود ہے۔

ہمارے آقا و مولیٰ نبی اکرم ﷺ نے چند سالوں میں جو علمی انقلاب بپا فرمایا وہ ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ اب ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ بس کوئی کرنا چاہے۔

(۷۳) میکالے کا نظریہ تعلیم ص ۶۹　(۷۴) مثالی نظامِ تعلیم ص ۳۱۲

فاضلِ بریلوی کے تعلیمی نظریات

قیامِ پاکستان کے بعد یہ مسئلہ مسلسل ہمارے لئے چیلنج بنا ہوا ہے کہ ہم اپنے نظامِ تعلیم کو قومی تقاضوں کے مطابق کیسے تشکیل دیں؟ اس سلسلہ میں سب سے اہم مسئلہ نظامِ تعلیم کی فکری اساس (نظریۂ تعلیم) کا تھا، مگر خوش قسمتی سے پاکستان میں یہ مسئلہ کبھی متنازعہ فیہ نہیں رہا۔ ۱۹۴۷ء کی پہلی تعلیمی کانفرنس میں ہی یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ پاکستان کا نظامِ تعلیم اسلامی نظریۂ حیات پر تشکیل دیا جائے گا۔ (۷۵)

ظاہر ہے کہ جب ہمارا نظریۂ حیات اسلام ہے تو ہمارا نظامِ تعلیم اسلامی ہی ہو سکتا ہے، اور اسلامی نظامِ تعلیم کی تشکیل کے لئے نہ تو ہم غیر مسلم مفکرین کی خوشہ چینی کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس سلسلے میں وہ ہماری کوئی راہنمائی کر سکتے ہیں، بلکہ اس سلسلہ میں ہم صرف مسلمان مفکرینِ تعلیم سے ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ (۷۶)

مسلمان ماہرینِ تعلیم میں بھی کچھ تو وہ ہیں جن کے افکار و نظریات عیاروں کی دست

---

(۷۵) ۱۹۴۷ء کے بعد بھی وقتاً فوقتاً تعلیمی دستاویزات میں اس عہد کا اعادہ کیا جاتا رہا، لیکن بد قسمتی سے آج تک اسے عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا...... ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اپنے نظامِ تعلیم کی اصلاح کے لئے یورپ و امریکہ کی طرف دیکھ رہے ہیں، چند سالوں سے کچھ لوگ چین کی طرف نظر اٹھائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس لایعنی نقالی کا نتیجہ صاف ظاہر ہے۔

ترسم کہ بہ کعبہ نرسی اے اعرابی — ایں راہ کہ تو میروی بترکستان است

بحیثیت مسلمان ہمیں اس کی تشکیلِ نو کے لئے نہ تو یہود و نصاریٰ کی طرف للچائی نظروں سے دیکھنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی دیگر کسی غیر مسلم کی طرف، ہمارے لئے صرف اور صرف اسوۂ رسول ہی کافی ہے۔ بقول اقبال

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست — گر باو نرسیدی تمام بولہبی است

عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم، از غلام عابد خان ص ۱۹

(۷۶) غیر مسلم مفکرین کو صحیح لفظوں میں ''مذبذبین'' کہنا چاہئے۔ یہ آج تک نہ تو کسی ایک نظریۂ تعلیم پر یکجا ہو سکے اور نہ ہی کوئی متفقہ نظامِ تعلیم متعارف کروا سکے، بلکہ ان کی اپنی پریشان فکری کی حد یہ ہے کہ آج تک یہ تعلیم کے ہی کسی ایک مفہوم پر اتفاق نہیں کر سکے۔ سقراط سے لے کر ڈیوی تک ہر ''دانش خور'' نے تعلیم کا الگ ہی فلسفہ پیش کیا ہے۔ نتیجۃً یہ مختلف آراء کا ایسا ''معجون مرکب'' بن گیا ہے جس کی حیثیت ہاتھی اور نابیناؤں کی اس ضرب المثل کے مترادف ہے جسے ہر کوئی اپنے ہی تصور کے مطابق بیان کرتا ہے۔...... پاکستان میں اعلیٰ تعلیم، از ڈاکٹر عثمان علی محمد لطیف، ص ۱۳ مطبوعہ مقتدرہ قومی زبان پاکستان

برد سے محفوظ نہ رہ سکے (۷۶)......اور جن کے نظریات تغیراتِ زمانہ سے محفوظ رہے، ان میں سے بعض نے تو اپنے افکار کو خالصۃ فلسفیانہ رنگ میں پیش کیا (۷۷)...... اور بعض نے معاشرتی تناظر میں (۷۸)......... جبکہ فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی یہ امتیازی شان ہے کہ آپ نہ تو معاشرتی حالات سے لاتعلق ہوئے، اور نہ ہی فطرت انسانی کی نفسیات سے بیگانہ ہوئے، البتہ اپنے نظریات کی بنیاد اسلام کے ابدی اور سرمدی اصولوں پر رکھی۔ آپ نے قرآن و سنت اور اکابرین امت سے یہ نظریات اخذ کیے اور انتہائی، مدلل اور جامع لفظوں میں امت تک پہنچا دیئے...... یہ بھی آپ کی کرامت ہے کہ آج تک نہ تو آپ کے افکار میں نقص ڈھونڈا جا سکا اور نہ ہی نقب زنی کی جا سکی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ.

فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ کے تعلیمی نظریات اسلام کی غیر متزلزل صداقت، عقیدہ کی پختگی، اصابتِ رائے، فکری تعمق، وسعتِ غور و تدبر اور تعلیم کے وسیع عملی تجربے پر مشتمل ہیں۔ یہ تعلیمی نظریات ایک طرف تو اکابرینِ ملت اور مسلم ماہرینِ تعلیم سے ہمارا رشتہ استوار رکھتے ہیں، تو دوسری طرف نہ صرف دورِ حاضر کے تعلیمی مسائل کا صحیح اسلامی حل پیش کرتے ہیں بلکہ مستقبل کے ماہرینِ تعلیم کے لئے بھی مکمل راہنمائی مہیا کرتے ہیں۔

محترم قارئین! اگرچہ اس وقت پانی ہمارے سروں سے گزر رہا ہے، لیکن اب بھی اگر ہمارے اربابِ اقتدار میں تلافیِ مافات کا جذبہ پیدا ہو جائے، اور فاضلِ بریلوی کے پیش کردہ ان اسلامی نظریات کو ہم اپنے تعلیمی اداروں میں عملاً نافذ کر دیں، تو اس سرزمین پر ملتِ اسلامیہ کے تہذیبی احیاء کا خواب آج بھی پورا ہو سکتا ہے۔

---

(۷۶)　جیسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تفصیل کے لئے دیکھئے چودہویں صدی کے مجدد از فاضل بہار ص

(۷۷)　جیسے ایرانی مفکر ابو علی احمد مکویہ متوفی ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء　(۷۸)　جیسے ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ/۱۴۰۶ء

تقریب کتاب مدتِ مدید سے بڑی شدت کے ساتھ یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ مغربی مفکرین کی بجائے مسلم ماہرین کے تعلیمی نظریات پر تحقیق کی جائے، تاکہ ان کی ہدایات کی روشنی میں اپنے نظامِ تعلیم کو مرتب کیا جا سکے...... اسی میں امت کی بقاء ہے۔

اسی ضرورت کے پیشِ نظر اہلِ سنت کے معروف محقق، مؤرخِ ملت، مفسرِ قرآن مفتی محمد جلال الدین قادری علیہ الرحمۃ الباری نے اس خالص علمی و تحقیقی موضوع پر قلم اٹھایا اور انتہائی سادہ اور مربوط انداز میں تحقیق کا حق ادا فرمایا۔ ...غالباً یہ اپنے موضوع کی اولین اور جامع کتاب ہے، طرزِ بیان میں شگفتگی، علمی جلالت، قادر الکلامی اور سوز و محبت ہر جملہ سے عیاں ہے۔

پہلی دفعہ یہ کتاب ۱۹۸۴ء کو مرکزی مجلسِ رضا لاہور سے شائع ہوئی۔ دوسری دفعہ اسی ادارے کی طرف سے کراچی میں شائع ہوئی۔ اگرچہ ان دونوں طباعتوں میں کاغذ کی گرانی اور حالات کی تنگی کی وجہ سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ کی کچھ عبارتیں شائع نہ ہو سکیں، تاہم کتاب کا بنیادی مضمون شائع کر دیا گیا...... البتہ رضا دارالاشاعت لاہور کی طرف سے اس کا تیسرا ایڈیشن بلا اجازتِ مصنف شائع ہوا، جس میں بلا وجہ ایسی تبدیلیاں کی گئیں جن سے کتاب کا معیار اور مزاج ہی بدل کر رہ گیا۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اس پر ناگواری کا اظہار بھی فرمایا۔

گذشتہ کافی عرصہ سے یہ کتاب مارکیٹ میں نایاب تھی، جبکہ اہلِ علم اس کی اشاعت کے منتظر تھے۔ احباب کے اصرار پر اسے پھر شائع کیا جا رہا ہے۔ اصل مبیضۂ مصنف سے موازنہ کر کے گذشتہ اشاعتوں میں جو عبارات رہ گئی تھیں، انہیں بھی شاملِ اشاعت کر لیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت حضرت مصنف کی اس وقیع علمی کاوش کو قبولِ عام نصیب فرمائے۔

اٰمِیْنَ بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

محمد مسعود احمد غازی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

عرضِ احوال کی پیاسوں میں کہاں تاب مگر
آنکھیں اے ابر کرم تکتی ہیں رستہ تیرا

مرکزی مجلس رضا، لاہور کے بانی وصدر حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے ۲۰ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ/ ۷ دسمبر ۱۹۸۲ء کو اعلیٰ حضرت، غوث الامت، مجد دِ دین وملت حضرت مولانا امام احمد رضا قدس اللہ اسرارنا بسرہ النوری کی یاد میں منعقد ہونے والے یوم رضا (لاہور) میں پڑھنے کے لئے ایک مقالہ لکھنے کے لئے احقر کو پابند کیا، جس کا عنوان تھا،

''امام احمد رضا قدس سرہٗ کا نظریۂ تعلیم''

چونکہ یہ خالص علمی وتحقیقی موضوع احقر کی علمی بساط سے بہت بلند تھا، اس لئے ہر چند بچنے کی کوشش کی، مگر حکیم صاحب موصوف کا محبت بھرا اصرار غالب رہا۔ اپنی علمی بے مائیگی اور ناتجربہ کاری کے باوجود اس موضوع پر ایک مقالہ تیار ہو گیا، جو اجلاس مذکورہ میں پڑھا گیا۔ بحمدہ تعالیٰ اکابر علماءِ اہلِ سنت، مشائخ عظام اور ماہرِ تعلیم اساتذہ نے اس مقالہ کو پسند فرمایا۔ اس احقر کی ہمت افزائی فرمائی اور احقر کے حق میں دعائے خیر فرمائی.........

فجزاھم اللّٰہ تعالٰی

اب اصرار کا دائرہ وسیع ہو گیا اور مطالبہ ہونے لگا کہ مقالہ کو شائع کیا جائے تا کہ اس کا فائدہ جاری رہے۔ مگر چونکہ وہ مقالہ صرف پڑھنے کے لئے لکھا گیا تھا، اس لئے اس کو اسی حالت میں شائع کرانا مناسب خیال نہ کیا۔ اس عرصہ میں حضرت حکیم صاحب موصوف نے پھر فرمایا کہ ''اس کو کتابی شکل دے دو۔ اور فوری طور پر اس کام کو مکمل کر دو''۔

درحقیقت اس عنوان پر کسی پختہ کار عالم اور تجربہ کار ماہرِ تعلیم کو کام کرنا چاہئے تھا، مگر اس احقر کی معلومات کے مطابق تا حال ایسا نہ ہو سکا۔ چنانچہ اللہ جل وعلا اور رسول اللہ ﷺ کے کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے کام شروع کر دیا۔ ایک ماہ کے عرصہ میں یہ مقالہ موجودہ حالت میں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل ہو سکا ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی اِحْسَانِهٖ وَکَرَمِهٖ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی نَبِیِّهِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

کسی شخصیت کے نظریۂ تعلیم کو معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس شخصیت کے ماحول کو دیکھا جائے...... اس کے ملکی وملی اور سیاسی حالات کا جائزہ لیا جائے...... اس کے معاصرین کی روش معلوم ہو...... اور...... خود اس شخصیت کا علمی و تحقیقی مزاج معلوم ہو۔ یہ سب عوامل مل کر اس کے نظریۂ تعلیم کو واضح کرتے ہیں۔

غوث الامت، مجددِ دین وملت، اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ کسی صاحبِ علم سے مخفی نہیں۔ مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ دورِ حکومت کا زوال...... غیر ملکی کفار کا تسلط اور یلغار...... مسلمان نما لیڈروں کا ابن الوقتی کردار...... درہم و دینار کے بندوں کا ملتِ اسلامیہ کے شیرازہ کو منتشر کرنے کے لئے دینِ حقہ

میں رخنہ اندازیاں...... عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے مقدس و اعلیٰ مقام پر ناپاک حملوں کی تعلیم و تربیت...... اولیاءِ امت سے مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کی تعلیمیں اور سازشیں......اور خود بھولے بھالے مسلمانوں کی بے علمی و بے حسی ....وغیرہا......وہ تقاضے تھے جن کو پورا کرنے کے لئے امام احمد رضا قدس سرہ نے تعلیم کی نہج مقرر فرمائی..............انہوں نے جب حالات کا جائزہ لیا تو ہر طرف بے چینی اور بے حسی نظر آئی۔ مسلمان خدا اور سول سے دور، اپنے مذہب سے دور اور دنیوی ترقی کے میدان میں غیروں سے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ جسم تو غلام بن ہی چکے تھے، قلب کو بھی غلام بنانے کے پروگرام طے پا رہے تھے ....ایسے حالات میں فطرت کا انتخاب نہایت موزوں ہوتا ہے۔

تاریخ نے بارہا دیکھا کہ ایک ہی ہستی نے اللہ و رسول پر بھروسہ کرتے ہوئے ملتِ اسلامیہ کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور بالآخر کشتیِ ملت کی سمت کو راست کر دیا۔ اس کی مساعیِ جمیلہ سے ذہنوں میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا۔ گویا ایک جہاں آباد ہو گیا۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے بتایا کہ تعلیم قلب کے یقین و طمانیت کا معاملہ ہے اور قلب کی طمانیت کے بغیر تعلیم ایک بے ثمر شجر ہے۔ آپ نے تعلیم کا جو نظریہ قوم کو دیا اس میں قوم کی تمام ضرورتوں کا حل ہے۔ دینی اور دنیوی مقاصد اور تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس میں قلب و قالب کی طہارت، طمانیت اور ملی بقا و احیاء کا سامان موجود ہے۔ موجودہ بے راہ رو تعلیم کے مضر اثرات سے بچنے کی تراکیب ہیں۔ آپ کے مقرر کردہ تعلیمی نظریہ کو سامنے رکھ کر اگر طالب علم کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے تو تعلیم یافتہ نوجوان صحیح معنوں میں مسلمان ہو گا..............اور رفتارِ زمانہ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے گا۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے تعلیمی نظریات اتنے مفید، کامل و مکمل اور جامع ہیں کہ زمانے کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور پھر کمال تو یہ ہے کہ رفتارِ وقت نے ان کی افادیت اور جامعیت پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔

اس موقع پر میں اربابِ بست وکشاد کو دعوت دیتا ہوں اور اساتذۂ کرام کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ ملتِ اسلامیہ کے نونہالوں کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے امام احمد رضا قدس سرہ کے تعلیمی نظریات کے مطابق درس گاہوں میں تعلیم کا انتظام کریں۔ ان شاء اللہ العزیز دیکھیں گے کہ چند ہی سالوں میں ایک عظیم اسلامی انقلاب برپا ہوگا۔ (ان شاء اللہ العزیز)

احقر

محمد جلال الدین قادری عفی عنہ

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ ۹ جولائی ۱۹۸۳ء

﴿فضائلِ علم..........آیاتِ بینات سے﴾

فضائلِ علم سے متعلق چند قرآنی آیات۔

(۱) شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ (۱)

اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر۔

☆ علم کے شرف و فضل، بزرگی و اصالت کے لئے یہ ارشادِ خداوندی کافی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اولاً اپنی ذات کا ذکر فرمایا، دوسرے درجہ پر فرشتوں کا اور تیسرے درجہ پر علماء کا۔ تینوں کی گواہی وجہِ ثبوتِ الوہیت ہے۔

(۲) يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (۲)

اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا، درجے بلند فرمائے گا۔

☆ ایمان کی طرح علم بلندی درجات کا موجب ہے۔

(۳) قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (۳)

تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان، نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

(۴) اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (۴)

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

---

(۱) سورۃ آل عمران آیت ۱۸ پارہ ۳ (۲) سورۃ المجادلہ آیت ۱۱ پارہ ۲۸

(۳) سورۃ الزمر آیت ۹، پارہ ۲۳ (۴) سورۃ فاطر آیت ۲۸ پارہ ۲۲

(۵) قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًاۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ (۵)

تم فرماؤ اللہ گواہ کافی ہے مجھ میں اور تم میں اور وہ جسے کتاب کا علم ہے۔

(۶) قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ (۶)

اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا ایک پل مارنے سے پہلے۔

☆ آصف بن برخیا کو تختِ بلقیس لانے کی قوت علم کے سبب ہوئی۔

(۷) وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّلَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ. (۷)

اور بولے وہ جنہیں علم دیا گیا خرابی ہو تمہاری اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے اور یہ انہیں کو ملتا ہے جو صبر والے ہیں۔

☆ آخرت کی بزرگی علم سے ہوتی ہے۔ یعنی علم وہی محمود و مطلوب ہے جس سے آخرت کی قدر دنیا و مافیھا سے بزرگ تر نظر آئے۔

(۸) وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُھَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ. (۸)

اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔

---

(۵) سورۃ الرعد آیت ۴۳ پارہ ۱۳ (۶) سورۃ النمل آیت ۴۰ پارہ ۱۹

(۷) سورۃ القصص آیت ۸۰ پارہ ۲۰ (۸) سورۃ العنکبوت آیت ۴۳ پارہ ۲۰

(۹) وَلَوْرَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ.(۹)

اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوشیں کرتے ہیں۔

☆ معاملات میں حکمِ الٰہی علماء کے اجتہاد پر راجع ،حکمِ الٰہی معلوم کرنے کے لئے انبیاء اور علماء کی طرف رجوع ماموراور علماء کا ذکر انبیاء کے ساتھ شانِ علم کا اظہار ہے۔

(۱۰) وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ.(۱۰)

اور بیشک ہم ان کے پاس ایک کتاب لائے جسے ہم نے ایک بڑے علم سے مفصل کیا، ہدایت ورحمت ایمان والوں کے لئے۔

(۱۱) بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِىْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ.(۱۱)

بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں ان کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا۔

(۱۲) اَلرَّحْمٰنُ☆عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ☆خَلَقَ الْاِنْسَانَ☆ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ☆(۱۲)

رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا، ماکان وما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔

☆ محلِ تذکیرِ احسان میں علم کا ذکر،علم کی فضلیت کا اظہار ہے۔

(۱۳) يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ.(۱۳)

(۹) سورۃ النساء آیت ۸۳ پارہ ۵　(۱۰) سورۃ الاعراف آیت ۵۲ پارہ ۸

(۱۱) سورۃ العنکبوت آیت ۴۹ پارہ ۲۱　(۱۲) سورۃ الرحمٰن آیت ۱تا۴ پارہ ۲۷

(۱۳) سورہ الاعراف آیت ۲۶ پارہ ۸

اے آدم کی اولاد بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس وہ اتارا کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو اور پرہیز گاری کا لباس وہ سب سے بھلا۔

☆ بعض علماء کے نزدیک لباس علم ہے، آرائش یقین اور لباسِ تقویٰ حیا ہے۔

(۱۴) فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ.(۱۴)

تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

(۱۵) فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ.(۱۵)

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

☆ اہلِ عالَم کو اپنے مسائل میں علماء کی طرف رجوع کا ارشاد فرما کر علم کی عظمت کا اظہار فرمایا۔

(۱۶) وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ.(۱۶)

اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا۔

☆ انذار سے مراد تعلیم و ارشاد ہے۔ بیانِ علم اور عدمِ کتمان سے تعلیم کی فرضیت ثابت ہوئی۔

---

(۱۴) سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲ پارہ ۱۱ — (۱۵) سورۃ النحل آیت ۴۳ پارہ ۱۴

(۱۶) سورۃ آل عمران آیت ۱۸۷ پارہ ۴

(۱۷) كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ.(۱۷)

جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہیں۔

☆ نبی اکرم رسول معظم ﷺ کے عظمت والے کاموں میں سے کتاب و حکمت کی تعلیم بھی ہے۔

(۱۷) سورۃ البقرہ آیت ۱۵۱ پارہ ۲

فضائلِ علم..........احادیثِ طیبہ سے

فضائلِ علم کے بارے میں احادیثِ مبارکہ کا ترجمہ۔

☆ اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرمادیتا ہے اور اسے اپنی ہدایت عطا فرماتا ہے۔(۱)

☆ علماء، انبیاء کے وارث ہیں۔آسمان والے ان سے محبت کرتے ہیں۔سمندر کی مچھلیاں ان کے لئے ان کے مرنے کے بعد قیامت تک مغفرت طلب کرتی ہیں۔(۲)

نبوت سے بڑھ کر کوئی رتبہ نہیں اور......نبوت کی وراثت سے بڑھ کر کون سی وراثت ؟ ....اس سے بڑھ کر کون سا منصب ہوسکتا ہے کہ عالم اپنے کام میں مشغول ہو اور زمین وآسمان کی تمام مخلوق اس کے لئے مغفرت طلب کرتی ہو۔

☆ قیامت کے روز علماء کے قلم کی سیاہی اور شہداء کے زخموں سے گرے ہوئے خون کا وزن کیا جائے گا تو علماء کی سیاہی (فضیلت کے اعتبار سے) شہداء کے خون سے بھاری ہوگی۔(۳)

☆ انسانوں میں سے بہتر اور ایمان دار وہ عالم ہے کہ اگر لوگ اس کے پاس اپنی حاجت لے جائیں تو وہ ان کو فائدہ دے اور اگر وہ اس سے بے پرواہو جائیں تو وہ اپنے نفس کو بے پرواہ کرے۔(۴)

☆ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں دو قسمیں ایسی ہیں کہ جب وہ درست

---

(۱) بخاری......مسلم......احمد......ابن ماجہ......ابونعیم......جامع صغیر

(۲) ابوداؤد......ترمذی......ابن النجار......جامع صغیر

(۳) الدرالمنتشرۃ......جامع صغیر (۴) بیہقی

ہوں تو سب لوگ درست ہوں اور اگر وہ بگڑ جائیں تو سب لوگ بگڑ جائیں ایک امراء (حکام) دوسرے فقہاء (علماء)۔(۵)

☆ جو شخص میری امت کو میری سنت کی چالیس حدیثیں یاد کر کے پہنچا دے تو میں اس کا قیامت کے روز شفیع اور گواہ ہوں گا۔(٦)

☆ عالم زمین میں اللہ تعالیٰ کا امانت دار ہے۔(۷)

☆ اس حال میں صبح کر کہ تو عالم ہو یا متعلم یا علم کی باتیں سننے والا یا عالم کا محبّ اور پانچواں نہ ہونا کہ ہلاک ہو جائے گا۔(۸)

☆ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے درہم و دینار ترکہ میں نہ چھوڑے، علم اپنا ورثہ چھوڑا ہے، جس نے علم پایا اس نے بڑا حصہ پایا۔(۹)

☆ علم تین ہیں، قرآن یا حدیث یا وہ احکام جو ان سے مستنبط ہیں اور ان کے سوا جو کچھ ہے سب فضول ہے۔(۱۰)

☆ جس نے کسی بندہ کو کتاب اللہ کی ایک آیت کی تعلیم دی وہ اس کا آقا بن گیا۔(۱۱)

☆ علم سیکھو اور علم کے لئے سکون و مہابت حاصل کرو۔ استاد کے سامنے کہ اس نے

---

(۵) ابن عبد البر......ابو نعیم (٦) ابن عبد البر عن ابن عمر

(۷) ابن عبد البر عن معاذ (۸) بزار......طبرانی عن ابی بکرۃ

(۹) ابوداؤد......ترمذی......ابن ماجہ......ابن حبان......بیہقی عن ابی درداء

(۱۰) ابوداؤد......ابن ماجہ......، حاکم عن عبد اللہ بن عمرو

(۱۱) طبرانی از ابوامامہ

تمہیں تعلیم دی، تواضع وفروتنی اختیار کرو۔(۱۲)

☆ تین آدمیوں کے حقوق کو منافق کے سوا کوئی اور کم نہیں جانتا۔ایک وہ کہ حالتِ اسلام میں اس کے بال سفید ہو گئے ہوں۔دوسرا عالم اور تیسرا عادل بادشاہ۔(۱۳)

☆ جس نے اپنے علم کو بڑھالیا مگر دنیا سے بے رغبت نہ ہوا وہ اللہ سے دور ہوا۔(۱۴)

☆ جو اپنے آپ کو عالم کہے وہ جاہل ہے۔(۱۵)

☆ تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔(۱۶)

☆ جسے کچھ قرآن یاد نہیں وہ ویرانے گھر کی مانند ہے۔(۱۷)

☆ جو ہمارے عالم کا حق نہ پہنچانے میری امت سے نہیں۔(۱۸)

☆ عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ پر۔(۱۹)

☆ عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی چودھویں رات کو باقی ستاروں پر۔(۲۰)

☆ قیامت کے روز تین آدمی سفارش کریں گے۔انبیاء، علماء، شہداء(۲۱)

☆ خدا تعالیٰ کی عبادت کسی چیز سے بہتر نہیں ہوتی جیسے دین کی سمجھ سے ہوتی ہے، اور ایک دین کا سمجھنے والا شیطان پر ہزار عابدوں سے سخت تر ہوتا ہے۔ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے دین کا ستون فقہ ہے۔(۲۲)

---

(۱۲) طبرانی فی الاوسط ابن عدی عن ابی ھریرۃ (۱۳) طبرانی عن ابی مامہ

(۱۴) دیلمی عن علی (۱۵) طبرانی فی الاوسط عن ابن عمر

(۱۶) بخاری،......ترمذی......ابن ماجہ (۱۷) ترمذی

(۱۸) احمد......حاکم......طبرانی فی الکبیر عن عبادہ بن صامت

(۱۹) ترمذی عن ابی امامہ (۲۰) ابونعیم فی الحلیہ

(۲۲) ابن ماجہ عن عثمان (۲۲) طبرانی فی الاوسط

☆ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر، اور جو اس کے قریب ہو، اور عالم، اور سیکھنے والا۔ (۲۳)

☆ اگر تیری تعلیم کے سبب خدا تعالیٰ ایک آدمی کو ہدایت کردے تو یہ تیرے حق میں دنیا ومافیھا سے بہتر ہے۔ (۲۴)

☆ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ سوائے تین چیزوں کے۔ اول علم، جس سے دوسروں کو فائدہ ہو...... دوسرا صدقہ جاریہ...... تیسرا نیک بخت لڑکا جو اس کے لئے دعائے خیر کرے۔ (۲۵)

☆ علماء عام مومنین سے سات سو درجات بلند ہوں گے۔ دو درجوں کے درمیان پانچ سو برس کی راہ ہوگی۔ (۲۶)

---

(۲۳) ابن ماجہ عن ابی ھریرۃ...... طبرانی فی الاوسط عن ابن مسعود

(۲۴) امام احمد عن معاذ...... بخاری ومسلم عن سہل بن سعد

(۲۵) مسلم عن ابی ھریرۃ (۲۶) ابن عباس

فضائلِ علماء............کلامِ اکابر سے

صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ کرام کے کلماتِ طیبات، جن کا تعلق فضائلِ علم سے ہے۔

☆　حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

علم مال سے بہتر ہے۔ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی...... علم حاکم ہے اور مال محکوم...... مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

☆　یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے۔

عالم افضل ہے روزہ دار، شب بیدار، جہاد کرنے والے سے......اور عالم جب مرتا ہے تو اسلام میں ایسا رخنہ پڑ جاتا کہ اس کو بجز اس کے نائب کے اور کوئی پُر نہیں کرتا۔

☆　حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

حضرت سلیمان کو اختیار دیا گیا کہ علم، مال اور سلطنت میں سے جو چاہیں پسند کریں۔ انہوں نے علم کو اختیار فرمایا۔ تو مال اور سلطنت علم کے ساتھ عطا ہوئی۔

☆　حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے۔

آیت: رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً میں دنیا کی بھلائی سے مراد علم اور عبادت ہے۔

☆　حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

علم سیکھو کہ علم کا سیکھنا نیکی ہے......اس کی طلب عبادت ہے......علم کو دہرانا تسبیح ہے......

علم میں کوشش کرنا جہاد ہے...... جاہل کو تعلیم دینا صدقہ ہے......علم کے مستحقین پر خرچ کرنا اللہ کا قرب ہے...... علم تنہائی میں انیس ہے...... خلوت میں ساتھی ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

دو آدمی سیر نہیں ہوتے، طالبِ علم اور طالبِ دنیا...... لیکن یہ دونوں برابر نہیں۔ طالبِ علم اللہ کی رضا بڑھاتا ہے اور طالبِ دنیا کی سرکشی بڑھتی ہے۔ پھر آپ نے دو آیتیں تلاوت فرمائیں۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓءُ اور کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی.

☆ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

علماء زمانہ کے چراغ ہیں۔ ہر عالم اپنے زمانہ کا ایسا روشن چراغ ہے جس سے اس کے ہم عصر لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں۔

☆ حضرت سالم بن ابی الجعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مجھے میرے آقا نے تین سو درہم سے خریدا اور آزاد کر دیا۔ تو میں نے سوچا کہ کون سا فن سیکھوں؟؟ آخر علم کو سیکھا...... ایک برس بھی نہ گذرا کہ خلیفہ وقت میری زیارت کے ارادہ سے آیا، میں نے اسے لوٹا دیا اور اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔

☆ حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

علماء آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں، جب یہ ظاہر ہوں لوگ ہدایت پاتے ہیں اور جب یہ چھپ جائیں لوگ اپنے امور میں حیران ہو جاتے ہیں۔

☆ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جس نے قرآن سیکھا اس کی عظمت بڑھ گئی...... جس نے فقہ میں توجہ کی وہ جلیل القدر

ہوا……جس نے لغت میں توجہ کی اس کی طبیعت میں رِقّت آ گئی……جس نے حساب میں توجہ کی اس کی رائے مضبوط ہو گئی……جس نے کتب حدیث میں توجہ کی اس کے دلائل مضبوط ہو گئے اور……جس نے اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھا اس کو علم نفع نہ دے گا۔

☆ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جو شخص عالم نہ ہوا سے انسانوں میں شمار نہ کر، کیونکہ علم وہ خاصہ ہے جس سے انسان باقی جانداروں سے ممیّز ہوتا ہے۔ انسان علم کے شرف سے ہی انسان کہلانے کا مستحق ہے۔ انسان اپنی قوت کے باعث انسان نہیں کیونکہ اونٹ اس سے قوی ہے۔ نہ اپنے عظیم جثہ کی بنیاد پر انسان ہے کیونکہ ہاتھی اس سے بڑا ہے۔ نہ اپنی شجاعت کی بنیاد پر، کیونکہ درندے اس سے زیادہ شجاع ہیں۔ نہ زیادہ کھانے کی وجہ سے کہ اونٹ کا پیٹ اس سے بڑا ہے۔ اور نہ اپنی جماعت کی بنا پر کہ ادنیٰ درجہ کی چڑیاں اس سے بڑھ کر ہیں۔ ہاں! اگر انسان کو باقی جانداروں سے تمیز ہے تو صرف علم کی بدولت۔

تعلیم کے متعلق

چند

اکابر ماہرینِ تعلیم

کے نظریات

امام غزالی علیہ الرحمۃ

نام: محمد بن محمد۔ کنیت: ابو حامد۔ لقب: امام، حجۃ الاسلام، زین الدین

وطن: غزالہ...... ولادت ۴۵۰ھ شہر طوس میں

اساتذہ: ابو حامد اسفرائینی...... ابو محمد جوینی...... ابو المعالی...... امام الحرمین

تدریس: مدرسہ نظامیہ بغداد میں...... تدریس میں ایسا مقام پایا کہ راستہ چلتے وقت پانچ سو فقیہ آپ کے جلو میں چلنا اپنی سعادت سمجھتے۔ آخر عمر میں وطنِ مالوف میں ایک مدرسہ اور خانقاہ بنا کر تعلیم اور امورِ خیر میں مصروف ہو گئے۔

تصانیف: محتاط اندازہ کے مطابق چار سو مجلدات آپ کی تصانیف ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

تفسیر یا قوت التاویل ...... کیمیائے سعادت ...... بسیط ...... وجیز ...... خلاصہ ...... مستصفی ...... تہافۃ الفلاسفہ ...... محک النظر ...... معیار العلم ...... مقاصد ...... مضنون بہ علی غیر اہلہ ...... المقصد الاسنی ...... جواہر القرآن ...... مشکوٰۃ الانوار ...... منخول ...... احیاء علوم الدین۔

تصانیف دیکھ کر استاد ابو المعالی امام الحرمین نے فرمایا کہ تم نے مجھے زندہ دفن کر دیا ہے۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کی تصانیف دیکھ کر لوگ مجھے بھول جائیں گے، آپ ہی کی تصانیف پڑھیں گے۔

وفات: ۱۴ جمادی الاخریٰ ۵۰۵ھ رضی اللہ عنہ

امام غزالی علیہ الرحمۃ کے تعلیمی نظریات

امام غزالی اپنے منفرد خیالات، علمِ کلام اور فنونِ فلسفہ میں مہارتِ تامہ کی وجہ سے مخصوص درجات کے مالک ہیں۔ عالمِ اسلام کے علاوہ مغربی دنیا کے مفکرین نے بھی آپ کی عظمت کا اعتراف کیا ہے اور بہت سے معاملات میں آپ سے راہنمائی حاصل کی ہے۔ آپ کی عظمت کے باعث آپ کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

مدرسہ نظامیہ بغداد میں صرف چونتیس برس کی عمر میں مدرسِ اعلیٰ مقرر ہوئے۔ مدرسہ مذکور کی تاریخ میں یہ ایک ہی ہستی ہے۔ جو اتنی چھوٹی عمر میں اتنے بڑے منصب پر فائز ہوئی۔

☆ امام غزالی علماء اور فضلاء کو انبیاء کا وارث قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات سلاطین اور ملوک کے برعکس عوام کے باطنی قوی کو مضبوط کرنے میں خاطر خواہ مدد دیتے ہیں۔

☆ امام غزالی کے نزدیک خلیفہ یا امامِ وقت کے فوری طور پر کسی جگہ موجود نہ ہونے کی صورت میں علماء ہی امامِ وقت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔

☆ سیاست میں برتری حاصل کرنے کے لئے جسمانی اور معاشرتی طاقت کا ہونا ازبس ضروری ہے۔ لیکن علماء وفضلاء کے لئے جسمانی طور پر طاقت ور ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی یہ لازم ہے کہ عوام کی اکثریت ان کی ہم خیال ہو۔

☆ امام غزالی فرماتے ہیں کہ علم سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے مگر کون سے علوم کی

تعلیم فرض ہے۔خود فرماتے ہیں۔

''قرآن میں جس علم کو فقہ،علم، روشنی،نور،ہدایت اور راہ یابی سے تعبیر فرمایا ہے وہ علم ہے جس سے خدا شناسی اور یادِ آخرت تازہ ہوتی رہے۔(۱)

☆ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

''اور جو علم کہ حدیث میں ہر مسلمان پر فرض مذکور ہوا ہے اس سے مراد علم معاملہ ہے اور جو معاملات کہ عاقل و بالغ شخص کو ان کا حکم ہوتا ہے وہ تین ہیں ایک اعتقاد اور ایک ''کرنا'' اور ایک ''نہ کرنا''......''(۲)

☆ نیز فرماتے ہیں۔

''غرضیکہ سب افعال جو فرضِ عین ہیں ان کا جاننا بتدریج اسی طرح ہے اور ترکِ فعل کا معلوم کرنا بھی..........اسی طرح واجب ہوگا۔''(۳)

☆ طویل بحث کے بعد مزید لکھتے ہیں۔

''تو جو علم فرضِ عین ہے اس میں یہی امر حق ہے جو ہم نے لکھا،یعنی عمل واجب کی کیفیت کا جاننا فرضِ عین ہے۔پس جو شخص واجب کو جان لے گا اور اس کے واجب ہونے کے وقت کو معلوم کرلے گا تو وہ علم کہ اس پر فرض عین تھا،اس کو سیکھ لے گا۔''(۴)

☆ خلاصہ بحث کے طور پر فرمایا۔

''جب یہ بات ظاہر ہو چکی کہ آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ**

---

(۱) مذاق العارفین اردو ترجمہ احیاء علوم الدین، ناشران قرآن کمپنی، لاہور۔ص ۷

(۲) ایضاً۔ص ۲۱ (۳) ایضاً۔ص ۲۱

(۴) ایضاً۔ص ۲۲

عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ میں العلم سے عمل کا علم مراد لیا ہے، جس کا واجب ہونا مسلمانوں پر مشہور ہے۔" (۵)

☆ ان عبارات کا مفاد یہی ہے کہ علم کی تحصیل ضروری ہے، مگر اس علم کی جس سے احکامِ شرع معلوم ہوں۔ مثلاً عبادات، معاملات، اخلاقیات وغیرہ............اس کے سوا تمام علوم مطلوبِ خدا اور رسول نہیں، وہ مردود ہیں۔ خود امام غزالی علیہ الرحمۃ کی زبانی سنئے۔

☆ "علم کہ دنیوی حکومت کے تقاضوں کو پورا کرنے میں، بحث و جدل کرنے میں یا عوام کو مقفیٰ و مسجع وعظ کہہ کر پھسلانے میں استعمال ہو، حرام حرام اور جالِ دنیا ہے۔" (۶)

☆ امام غزالی تحصیلِ علوم میں افادیت کے قائل ہیں۔ عالم اگر بے عمل ہو یا خوفِ خدا وخوفِ آخرت سے عاری ہو یا علم کو فخر کا ذریعہ بنالے، آپ کے نزدیک وہ علم اور وہ عالم مردود مقہور ہے۔ فرماتے ہیں۔

"قیامت کے روز سب لوگوں سے زیادہ سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اللہ پاک نے اس کے علم سے کچھ نفع نہ دیا۔ (طبرانی، بیہقی)" (۷)

☆ نیز فرماتے ہیں۔

"علم حاصل کر کے خوفِ خدا سے عاری رہنا اور فخر کا ذریعہ بنانا مردود ہے۔" (۸)

☆ حدیث میں جس طلبِ علم کو فرض کہا ہے اس سے مومن کو رقیق القلب، پاکیزہ اور اللہ کی یاد کرنے والا بنانا مراد ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"ثمرہ علم کا دلوں کو آخرت کی طرف میلان اور روحوں کا تزکیہ و ترقی ہے" (۹)

---

(۵) مذاق العارفین اردو ترجمہ احیاء علوم الدین، ناشران قرآن کمپنی، لاہور۔ ص ۲۳
(۶) ایضاً۔ ص ۷　　(۷) ایضاً۔ ص ۱۶
(۸) ایضاً۔ ص ۸　　(۹) ایضاً۔ ص ۹

☆ امام غزالی کے نزدیک علم وہ نیکی ہے جس کے فیض سے عالم، عالَم ناسوت، ملکوت، لاہوت کے اسرار وحقائق کو اپنی گرفت میں لینے کا اہل ہو جاتا ہے۔ ورنہ وہ عالم، عالم نہیں اور نہ وہ علم علم............اس شخص نے اپنی زندگی اس بے مقصد کام میں یونہی صرف کر دی۔

☆ امام غزالی علیہ الرحمۃ کے نقطہ نظر کے مطابق قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر کے علاوہ دنیوی ومادی علوم بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ مگر اولیت اہم علوم دینیہ کو ہے۔ اس لئے تحصیلِ علوم میں علوم وفنون کے درمیان ایک ترتیب قائم کر لے، پھر تحصیلِ علوم میں مشغول ہو۔ ایسا نہ ہو کہ غیر اہم علوم میں زندگی کا قیمتی حصہ تو صرف کر دے اور واجب علوم، (عبادات، معاملات اور اخلاقیات کے علوم) رہ جائیں۔

علامہ ابوزید عبدالرحمٰن محمد بن خلدون

ابن خَلّدون عمرانیات، سیاسیات اور تعلیمات کے بہت بڑے ماہر تھے، آٹھویں صدی ہجری کے آخر اور نویں صدی ہجری کے عشرہ اول میں ابن خلدون کے فلسفیانہ نظریات سامنے آئے۔ انہوں نے علم کو خوراک کی مانند انسان کی طبعی ضرورت قرار دیا۔ ابن خلدون نے علوم کو واضح دو قسموں میں تقسیم کیا۔

ا۔ علومِ عقلیہ ۲۔ علومِ نقلیہ

☆ ابن خلدون نے اپنے ہم مذہب افراد پر لازمی قرار دیا کہ ان کی ایک خاص مجلس ہو جس میں اوقاتِ معینہ پر جمع ہوں، اس مجلس میں کوئی اجنبی شریک نہ ہو۔ ایسی مجلس میں اکثر وہ علم نفس، حسِ محسوس اور عقلِ معقول پر مباحثہ کرتے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ توجہ کتبِ الٰہیہ اور تنزیلاتِ نبویہ کے اسرار و مسائل پر دیتے۔

☆ ابن خلدون علومِ الٰہیہ کو منتہائے مقصودِ تعلیم قرار دیتے۔ کیونکہ یہی علوم حقیقت ازلی وابدی کے مظہر ہیں۔ جو تکمیلِ انسانیت کے لئے ضروری ہیں۔

☆ مقدمہ ابن خلدون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن خلدون ایک عظیم ترین عالم تھا، اسے جن علوم پر عبور تھا اور انہیں رائج کرنے کی وہ مسلسل کوشش کرتا رہا، وہ حسب ذیل ہیں۔ ان علوم کا تذکرہ مقدمہ ابن خلدون کے باب ششم کی اکاون فصلوں میں ہے۔

ا۔ علمِ تفسیر و قرأت ۲۔ علمِ حدیث

۳۔ علمِ فقہ	۴۔ علم الفرائض (میراث)
۵۔ علوم اخلاقیات، جدل ومناظرہ	۶۔ علمِ کلام
۷۔ علمِ تصوف	۸۔ علمِ تعبیرِ خواب
۹۔ علم الاعداد	۱۰۔ علم الہندسہ
۱۱۔ علمِ ہیئت	۱۲۔ علمِ منطق
۱۳۔ علمِ طبیعات	۱۴۔ علمِ طب
۱۵۔ علمِ فلاحت (زراعت)	۱۶۔ علمِ الہیات
۱۷۔ علمِ سحر وطلسمات	۱۸۔ علمِ اسرارُالحروف
۱۹۔ علمِ کیمیا	۲۰۔ علمِ فلسفہ
۲۱۔ علمِ نجوم	۲۲۔ علمِ سیاسیات
۲۳۔ علمِ تاریخ	۲۴۔ علمِ ادبیات

ابنِ خلدون تعلیم کے میدان میں کتنا بصیر ہے کہ صدیوں پہلے ان علوم کی تعلیم پر توجہ کی جن کی آج کی ترقی پذیر اور ترقی یافتہ دنیا کو ضرورت ہے۔

ابنِ خلدون کے نزدیک تعلیم کا حقیقی مقصد علمِ حقیقت وعلمِ معرفت حاصل کرنا ہے۔ اگر چہ دنیا میں رہنے کے لئے دنیاوی اموراور دنیاوی مادی اشیاء کا علم بے حد ضروری ہے، لیکن دونوں اقسام کی منفعت مختلف نوعیت کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ علمِ معرفت ہر کس وناکس حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے حصول میں دلچسپی لیتا ہے۔ اس لئے لوگ عموماً دنیوی علوم کی طرف راغب ہو جاتے ہیں، دراصل دنیوی علوم کا حصول کم ہمتی پر مبنی ہے۔ مردانِ حق اپنی

بلند ہمتی کے سبب تعلیم کا حقیقی مقصد (علمِ معرفت) پانے میں کوشاں رہتے ہیں۔

☆ ابن خلدون کے نزدیک تعلیم کے بارے میں نظریات میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔اس کا باعث انسانی زندگی کے تین بڑے عوامل ہیں۔

اول، دین، دوم، جغرافیائی حالات اور سوم، وسائلِ حیات کی کمی بیشی۔

☆ ابن خلدون کے نظریہ کے مطابق سیاسیات کی پختگی اور اہمیت میں جن امور کو دخل ہے ان میں تعلیم اور رواجِ تعلیم بھی شامل ہے۔

☆ ریاست کے لئے سیاست اور سیاست کے لئے علم بنیادی عوامل ہیں، اس بارے میں ابن خلدون کے نزدیک تعلیم ایک ایسا موضوع ہے جو افلاطون سے لے کر آج تک کے فلاسفروں کا موضوع بنا رہا ہے۔چاہے ان کا مرکز سیاسی نوعیت کا ہو یا کسی اور نوعیت کا۔تاہم تعلیم کو سیاست میں جس قدر اہمیت حاصل ہے اتنی قوتِ بازو کو بھی نہیں۔سیاست کا مقصد صرف وسعتِ حدودِ جغرافیائی کے لئے مسلسل کوشش کرنا نہیں۔ بلکہ خود اپنی ریاست میں زیادہ سے زیادہ فلاح و بہبود کو رواج دینا ہے۔جس ملک میں تعلیم زیادہ ہوگی وہ ہر لحاظ سے قوی ہوگا۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ

عارف باللہ شاہ ولی اللہ (المتولد ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء.....المتوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلوی (م ۱۱۳۱ھ) کے بیٹے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے مغلیہ دورِ حکومت کے دس بادشاہوں کا زمانہ پایا۔

شاہ صاحب ایک جلیل القدر محدث، فقیہ، صوفی اور عظیم المرتبت، حکیمِ ملتِ اسلامیہ تھے۔ اپنے دور کے بہترین استاد بلکہ عظیم ماہرِ تعلیم تھے۔ آپ کی تقریباً ساٹھ تصانیف ہیں، جن میں قرآن وحدیث، فقہ وکلام، عقائد وتصوف، سیر وسوانح، مکتوبات، نظم ونثر وغیرہ، موضوعات پر قیمتی موتی جمع ہیں۔ جن علوم کو شاہ صاحب نے اپنی تصانیف میں سمویا ہے ان میں اسلامی دینی روایات، اسلامی فقہ، اسلامی تصوف، اسلامی اقتصادیات، اسلامی نفسیات، اسلامی فلسفہ، قرآن وحدیث، اسلامی تاریخ، اسلام معاشیات، اسلامی سیاسیات کا ذکر خصوصیت سے کیا جا سکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کی تعلیمات اور ان کے پاکیزہ مسلک کو مسخ کرنے کی نہایت مذموم مساعی کی گئیں۔ شاہ صاحب کی حقیقی تصانیف میں بعض مقامات میں اپنی طرف سے عبارات بڑھا کر یا ان میں ترمیم کر کے اپنے مخصوص نظریات کے مطابق بنانے کی مذموم کوششیں کی گئیں۔ علاوہ ازیں مکمل کتب ورسائل تصنیف کر کے شاہ صاحب کی طرف منسوب کئے گئے۔

اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد کے ہم مسلک حضرات نے یہ کام نہایت دیدہ دلیری سے کیا۔ تحفۃ الموحدین بلاغ المبین قول سدید وغیرہ شاہ صاحب حقیقی کی تصانیف نہیں۔ (۱۰)

حضرت شاہ ولی اللہ کی زندگی کا ایک معتد بہ حصہ درس و تدریس میں صرف ہوا۔ شاہ عبدالرحیم (والد ماجد) کے وصال کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں بارہ سال تک نہایت انہماک سے مصروفِ تدریس رہے۔ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

"بعد از وفات ایشان دوازدہ سال کم وبیش کتب دینیہ وعقلیہ مواظبت نمود" (۱۱)

"والد کی وفات کے بعد تقریباً بارہ سال دینیات و معقولات کی کتابوں کے درس کا شغل رہا۔"

مولوی سید احمد، شاہ صاحب کے اس دورِ تدریس کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

"بعدہ آپ اپنے والد بزرگوار کی جگہ قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے اور طالبانِ ہدایت کو سیدھے رستے لگانا شروع کیا۔ کتبِ دینیہ وعقلیہ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا، جوق در جوق لوگ آنے شروع ہوئے، سینکڑوں طالب علم مستفیض ہونے لگے۔" (۱۲)

(۱۰) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔
(i) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان از حکیم محمود احمد برکاتی۔
(ii) مقدمہ مجموعہ وصایا اربعہ از پروفیسر محمد ایوب قادری۔
(iii) ماہنامہ فاران کراچی، جون ۱۹۶۵ء
(iv) مجموعہ رسائل دررد وہابیہ (قلمی) مملوکہ اسد نظامی
(v) مقدمہ الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس از حکیم محمد موسیٰ امرتسری

(۱۱) الجزء اللطیف از شاہ ولی اللہ/ بحوالہ شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان۔ ص ۸۳

(۱۲) خاتمہ تاویل الاحادیث/ بحوالہ شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان۔ ص ۸۳

شاہ صاحب نے اپنے دورِ طالب علمی میں جن کتابوں کا مطالعہ کیا، وہ وہی کتابیں ہیں جو آج بھی ''درسِ نظامی'' کے نام سے مروج ہیں۔ ان میں اکثر کتابیں کُلاً اور بعض کتابیں جزءً پڑھیں یا سماعاً ان کی تعلیم حاصل کی۔

شاہ صاحب کس قسم کی تعلیم کا رواج چاہتے تھے۔۔۔۔۔؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے درج ذیل چند شواہد کا مطالعہ مفید مطلب ہے۔

☆ وصیت نامہ فارسی میں خود شاہ صاحب کی ایک تحریر ہے، جس کا تعلق علوم کی تعلیم سے ہے، فرماتے ہیں۔

''طریق تعلیم بہ تجربہ محقق شد آں ست کہ نخست رسائل مختصرہ صرف ونحو درس گویند سہ نسخہ از ہر یکے یا چہار چہار بقدر ذہن طالب۔ بعد ازاں کتابے از تاریخ یا حکمت عملی کہ بزبان عربی باشد آموزند، و درمیان میان بر طریق تتبع کتب لغت و برآوردن مشکل از جائے آں مطلع سازند۔ چوں قدرت بزبان عربی یافت مؤطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی بخوانند و ہر گز آں را معطل نگدارند کہ اصل علم حدیث است و خو انداں آں فیضہائے دارد، ما را سماع جمیع آں مسلسل ست۔ بعد ازاں قرآن عظیم درس گویند، بآں صفت کہ صرف قرآن خواند بغیر تفسیر و ترجمہ گوید۔ وآنچہ مشکل باشد در نحو یا در شان نزول متوقف شود و بحث نماید۔ بعد فراغ از درس، تفسیر جلالین را بقدر درس در ین طریق فیضہا ست، بعد ازاں در یک وقت کتب نخوانند مانند صحیحین وغیر آنہا و کتب فقہیہ وعقائد وسلوک۔ و در یک وقت کتب دانش مندی مثل شرح ملا جامی وقطبی وغیر آں الی ماشاء اللہ واگر میسر آید کہ مشکوۃ را یک روز بخوانند و روز دیگر شرح طیبی بقدر آنچہ روز اول خواندہ است بخوانند خیلے نافع است۔'' (۱۴)

(۱۴) ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں از ابوالحسنات ندوی، مطبع معارف اعظم گڑھ۔ ص ۱۰۷

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

۱ صرف اور نحو کی تین تین یا چار چار ابتدائی کتابیں سب سے پہلے پڑھی جائیں۔

۲ بعد ازاں تاریخ، حکمتِ عملی کی کوئی کتاب کہ عربی زبان میں ہو اس طرح پڑھی جائے کہ مشکل الفاظ کو لغت کی مدد سے حل کرتے جائیں۔

۳ عربی زبان پر قدرت کے بعد علمِ حدیث کی کتاب مؤطا پڑھی جائے۔ کہ اصل علم تو حدیث کا علم ہے۔

۴ قرآن مجید کو بغیر ترجمہ اور تفسیر کے پڑھا جائے۔ مشکل کلمات کو نحو کے ذریعہ حل کیا جائے یا ان کا شانِ نزول معلوم کیا جائے۔

۵ اس کے بعد تفسیر جلالین بقدرِ ضرورت پڑھی جائے۔

۶ بعد ازاں کتبِ حدیث صحاح وغیرہ، کتبِ فقہ، کتبِ عقائد اور کتبِ سلوک ایک وقت میں پڑھی جائیں۔

۷ ان سے فراغت حاصل کرنے پر کتبِ دانش و بینش مثل شرح جامی، قطبی وغیرہ پڑھی جائیں۔

۸ اگر وقت اجازت دے تو مشکوٰۃ اور اس کی شرح طیبی کو اس طرح پڑھا جائے کہ ایک روز کچھ حصہ مشکوٰۃ کا اور دوسرے روز اس کی شرح طیبی سے۔

۹۔ اس طریقِ تدریس میں بہت نفع ہے۔

۱۰۔ فیضِ ربانی کے حصول کے لئے قرآن مجید کی، حدیث، تفسیر اور فقہ کی تعلیم ضروری ہے اور ان علوم کے حصول کے لئے ابتدائی صرف نحو و ادب کی تعلیم بمنزلہ زینہ کے ہے۔

☆ حضرت شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ اپنے ملفوظات میں اپنے والد بزرگوار کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"پدر من وقت رخصت از مدینہ از استاد خود عرض کرد و او خوش شد کہ ہر چہ خواندہ بودم فراموش کردم الا علم دین یعنی حدیث" (۱۴)

میرے والد نے مدینہ منورہ سے رخصت کے وقت اپنے استاد سے عرض کیا، جس سے وہ خوش ہوئے کہ میں نے علم دین یعنی حدیث کے علاوہ جو کچھ پڑھا تھا اسے بھلا دیا۔"

☆ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ بعض علوم میں اپنے مقام سے متعلق خود فرماتے ہیں۔

"اس بندہ ضعیف پر خدا تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مجھے فاتحیت کی خلعت پہنائی گئی ہے اور پچھلے دور کا افتتاح میرے ہاتھ سے کرایا گیا ہے۔ مجھ سے پوچھا گیا فقہ کی اچھی باتیں کیا ہیں؟ چنانچہ میں نے ان کو جمع کر کے فقہ حدیث نئے سرے سے مرتب کر دی ہے۔

میں نے فنِ اسرار حدیث اور علمِ مصالحِ احکام وغیرہ جو آنحضرت ﷺ خداوند تعالیٰ سے لے کر آئے ہیں اور جن کی آپ نے تعلیم فرمائی ہے، مدون کیا۔ یہ وہ فن ہے جس کے بارے میں اس سے پہلے کسی نے مجھ سے بہتر بات نہیں کی ہے۔ حالانکہ یہ عظیم الشان علم ہے۔

---

(۱۴) انسان العین فی مشائخ الحرمین (انفاس العارفین) بحوالہ شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان (ص ۳۲) میں اس طرح بھی منقول ہے: ایں فقیر برائے وداع نزدیک شیخ ابو طاہر رفت۔ ایں بیت برخواند۔

نسیت کل طریق کنت اعرفہ الا طریقا یودبنی الا ربعکم

بمجرد شنیدن آں بکا بر شیخ غالب آمد و بغایت مستانہ شد (شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان۔ ص ۳۲)

نیز مجھے کمالاتِ اربعہ یعنی ابداع، خلق، تدبر، اور تدلی کا نہایت وسیع علم دیا گیا ہے۔ ایسے ہی نفوسِ انسانی کی استعدادات کا کامل علم عطا کیا گیا ہے جس سے ہر شخص کا کمال اور انجام معلوم ہو سکتا ہے۔(۱۵)

یہ دونوں وہ بلند مرتبہ علم ہیں کہ مجھ سے پہلے کسی نے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اس کے علاوہ مجھے حکمتِ عملی کے اصول کو خداوند تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت اور آپ کے اصحاب کے آثار کے ذریعہ سمجھنے اور پختہ کرنے کی توفیق بخشی گئی۔"(۱۶)

مجموعہ وصایا اربعہ کے مرتب نے حضرت شاہ صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے اس کو شاہ صاحب کی زندگی کا خلاصہ اور تعلیمات کا نچوڑ کہنا چاہیئے۔

"مارا لابد ست کہ حرمین محرمین رویم، روئے خود برآں آستانہائے مالیم، سعادت ما ایں ست وشقاوت ما در اعراض۔"(۱۷)

ہمارے لئے لازمی ہے کہ حرمین محترمین جائیں اور اپنے چہروں کو درِ بیت اللہ اور درِ رسول اللہ ﷺ پر ملیں، ہماری سعادت اسی میں ہے اور اس سے انکار میں ہماری شقاوت وبدبختی ہے۔

مذکورہ بالا شواہد کی روشنی میں ہم حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے تعلیمی نظریات بآسانی معلوم کر سکتے ہیں۔ شاہ صاحب کے تعلیمی نظریات کا اجمالی طور پر یوں ذکر کر سکتے ہیں۔

۱　کتبِ دینیہ، قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر وغیرہ کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ علومِ عقلیہ (منطق، فلسفہ، ریاضی، سائنس وغیرہ) کی تعلیم ضروری ہے۔ مگر اس انداز میں کہ اولیت

---

(۱۵)　'ہر شخص کا کمالِ باطنی اور انجام معلوم ہونا' علوم غیبیہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو حضور پر نور محبوب رب العالمین ﷺ کے توسط سے ان علوم سے حصہ عطا فرماتا ہے۔ فقیر قادری عُفی عنہ۔

(۱۶)　شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان۔ ص ۷، ۸

(۱۷)　تقدیم الطاف القدس۔ از حکیم محمد موسیٰ امرتسری۔ ص ۵

واہمیت علومِ دینیہ کو ہوگی۔

۲ قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے بنیادی طور پر صرف ونحو، لغت وادب کی تعلیم ضروری ہے۔ ان علوم کی حیثیت علوم آلیہ کی ہے۔

۳۔ علوم کی تحصیل کی غرض وغایت فیض ربانی کا حصول ہے، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا انحصار اور مقاماتِ باطنی کا مدار قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر کی تعلیم ہے۔ بغیر ان کے حصول کے انسان وہ مقام نہیں پاسکتا جس کے حصول کا اسے حکم دیا گیا ہے۔

۴ تحصیلِ علوم کی غرض وغایت درِ رسول ﷺ تک حاضری ہے۔ اسی میں سعادتِ ابدیہ ہے، اس سے اعراض شقاوت عظمیہ ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نرسیدی تمام بولہبی ست

۵ اہلِ علم حضرات سے یہ بات مخفی نہیں کہ برصغیر پاک وہند میں قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر اور دیگر علوم کی حامل درسگاہیں، شاہ ولی اللہ کے سلسلۂ تلامذہ کی درسگاہیں ہیں۔ یہ علماء وفضلاء کسی نہ کسی واسطہ سے آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر مقامِ افسوس ہے کہ یہ فضلاء وعلماء اپنے اندر بنیادی نوعیت کے اختلاف رکھتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب دردان اختلافات کو دور کرنے کی کوشش کرے گا تو اسے شاہ صاحب کی تعلیمات اور نظریات کا سہارا لینا پڑے گا۔ ویسے سیدھی سی بات یہ ہے کہ جن درسگاہوں کے فارغ التحصیل طلباء درِ مصطفیٰ ﷺ تک عاجزانہ حاضری کو زندگی کا سب سے بڑا نصب العین سمجھتے ہیں۔ مقامِ مصطفیٰ ﷺ کی عظمت ان کے ایمانوں کا جزوِ اعظم ہے اور نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے لئے ہر وقت کوشاں ہیں وہ ہی شاہ صاحب کے صحیح جانشین ہیں۔

﴿ڈاکٹر علامہ محمد اقبال﴾

(۱۸۷۶ء تا ۱۹۳۸ء)

علامہ اقبال سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں قدیم طرز کے ایک معمولی مکتب میں ہوئی۔ پھر جدید طرز کے اسکاچ مشن اسکول سیالکوٹ اور گورنمنٹ کالج لاہور سے اکتسابِ علم کیا۔ لاہور میں ایم۔ اے کرنے کے بعد یورپ چلے گئے۔ اعلیٰ تعلیم کیمبرج یونیورسٹی اور میونخ یونیورسٹی (جرمنی) سے حاصل کی۔

اقبال کی زندگی کا آغاز بطورِ معلم گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۸۹۹ء میں ہوا۔ ۱۹۱۱ء تک وہ مختلف حیثیتوں سے بطورِ معلم ملک کی اعلیٰ درس گاہوں سے وابستہ رہے۔ پیشہ وکالت کے دوران وہ بعض ہندوستانی جامعات کے ممتحن رہے۔ نادر شاہ (افغانستان کے حکمران) کی دعوت پر افغانستان میں تعلیمی اصلاحات کے نفاذ کے لئے علامہ اقبال ۱۹۳۲ء میں افغانستان بھی گئے۔ اس طرح اقبال کی زندگی کا تعلق تعلیمی مسائل سے رہا۔ ایک ماہرِ تعلیم کی حیثیت سے اقبال کے تعلیمی نظریات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) جدید علوم، جن کے بارے میں تاثر یہ ہے کہ یہ یورپ والوں کے ایجاد کردہ ہیں، درحقیقت مسلمانوں ہی کا ورثہ ہیں۔ ان علوم کو مسلمانوں نے نہ صرف ایجاد کیا بلکہ اس حد تک پہنچایا کہ اس سے آگے جانا آج بھی مشکل ہے۔ اس حقیقت کو اقبال کی زبان سے سنئے۔

حکمتِ اشیاء فرنگی زاد نیست　　اصلِ او جز لذتِ ایجاد نیست
نیک اگر بینی مسلمان زادہ است　　ایں گہر از دست ما افتادہ است
ایں پری از شیشۂ اسلاف ماست　　باز صیدش کن کہ او از قافِ ماست (مثنوی مسافر)

یہ حکمتِ اشیاء در حقیقت فرنگیوں کی ایجاد کردہ نہیں۔ اس کی اصل تو انسانی سرشت ہے۔ اگر تو تعصب سے ہٹ کر دیکھے تو معلوم ہوگا یہ گوہرِ آبدار تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہی گرا ہے۔ حکمت کے یہ علوم تو ہمارے علمی کوہِ قاف کی پری ہیں اس لئے ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ان کو دوبارہ حاصل کریں۔

چونکہ علومِ جدیدہ اقبال کے نزدیک مسلمان اسلاف کا ترکہ و میراث ہیں اس لئے موجودہ دور کے مسلمانوں کو ان کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ ترغیبی انداز میں اقبال لکھتے ہیں۔

نائبِ حق درجہاں آدم شود بر عناصر حکمِ او محکم شود
خویش را برپشتِ باد اسوار کن یعنی ایں جمازہ را ما ہار کن
ازشعاعش دیدہ کن نادیدہ را و انما اسرار نافہمیدہ را
جستجو را محکم از تدبیر کن انفس و آفاق را تسخیر کن
تو کہ مقصودِ خطابِ اُنظری پس چرا ایں راہ چوں کوراں بری
آنکہ براشیا کمند انداخت است مرکب از برق وحرارت ساخت است
علم اشیاء اعتبارِ آدم است حکمتِ اشیاء حصارِ آدم است (رموز بیخودی)

انسان دنیا میں اسی وقت نائبِ حق بنتا ہے جب کہ عناصرِ قدرت پر اس کا حکم جاری ہو......اے مسلماں! تو ہوا کی پشت پر سواری کر، اس تیز رفتار اونٹ کی نکیل تیرے ہاتھوں میں ہونی چاہئے......اے نوجوان مسلم! تو فضائے آسمانی کے ایک حقیر ذرہ کی روشنی سے چشمِ بینا کو منور کردے۔ جگمگاتے خورشید کی شعاعوں کو شکار کر......اپنی جدوجہد کو تدبر اور تدبیر سے مستحکم بنا، انفس وآفاق کو مسخر کر......اے مسلمان! تو ہی خطابِ الٰہی اَفَـلَا یَـنْـظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ

كَيْفَ خُلِقَتْ (وہ اونٹ کی جانب کیوں نہیں دیکھتے کس انداز سے اسے بنایا گیا ہے) کا مخاطب ہے، تجھے تو اشیائے کائنات کی حقیقت و ماہیت پر غور و فکر کی دعوت دی گئی تو پھر کیوں اس راہ میں تو غور نہیں کرتا...... ذرا غور سے سن! جس نے اشیائے کائنات پر کمنڈ ڈال دی اور ان کو مسخر کرلیا وہی عناصرِ قدرت، برق و باد کا حکمران ہے، وہ ان اشیاء کا راکب ہے اور وہ اس کا مرکب...... اشیاء کی ماہیت و حقیقت کا علم ہی حضرت آدم علیہ السلام کی برتری کا سبب ہے۔ اگر انسان اشیاء کے اسرار و رموز سے آگاہی حاصل کرے تو یہی اشیاء اس کے لئے حصارِ امن بن جاتی ہیں۔

(۲)　ان خیالات و افکار کا اظہار کرنے کے باوجود اقبال نے تعلیم جدید کے اثرات پر کڑی تنقید بھی کی ہے۔ علامہ کی نگاہ میں جدید تعلیم کا ایک نقص یہ ہے کہ وہ نوجوانوں کو بے ادب بنا رہی ہے۔ یادِ رفتہ کے حوالہ سے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

تھے وہ دن بھی کہ خدمتِ استاد کے عوض
دل چاہتا تھا کہ ہدیہ دل پیش کیجئے!
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

نوجوانوں کی بدتمیزی دیکھ کر ان کا دل کڑھتا ہے اور وہ موجودہ تعلیم سے پشیمان ہو جاتے ہیں۔

نوجوانے را چوں بینم بے ادب　روزِ من تاریک می گردد چوں شب
تاب و تب در سینہ افزائد مرا　یادِ عہدِ مصطفیٰ آید مرا
از زمانِ خود پشیماں می شوم　در قرونِ رفتہ پنہاں می شوم

اقبال برملا اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ جدید تعلیم نے نوجوان مسلم کو حق وصداقت بیان کرنے سے روک دیا ہے۔

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

تعلیم جدید نے نوجوانوں کے ذہن سے یقین وایمان کی دولت نکال دی ہے اور وہ ناامیدی ومایوسی کے باعث تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔

جو اناں تشنہ لب خالی ایاغ　شُستہ رو، تاریک جان، روشن دماغ
کم نگا ہے، بے یقین وناامید　چشمِ شاں اندر جہاں چیزے ندید

(جاوید نامہ)

اقبال کے نزدیک جدید تعلیم نے نوجوانوں کو احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا ہے۔ حالانکہ اقبال کا نوجوان شاہین زادہ ہے۔ اب یہ رسم وراہ شہبازی سے بے خبر اور عقابی روح سے ناآشنا ہے تو کیوں؟...... یہ شاہین زادہ کرگس بنا تو کیوں؟...... جدید تعلیم سے۔

وہ فریب خوردہ شاہین کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ ورسمِ شاہبازی

(۳) جدید تعلیم میں استاد کے کردار کا تذکرہ کتنے تاسف بھرے لہجے میں کرتے ہیں۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوند انِ مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

جدید تعلیم اور اس کے متعلقات نے نوجوان مسلم کو افرنگی غلامانہ ذہنیت میں اس

طرح جکڑ دیا ہے کہ اس کا وجود ظاہری در حقیقت صرف قالب ہے جو قلب سے خالی ہے۔
کلیات و جامعات کی اس تعلیم نے نوجوان کو مردہ لاش میں بدل دیا ہے۔

گرچہ مکتب کا جواں زندہ نظر آتا ہے
مردہ ہے، مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس

تعلیم جدید کے مقاصد میں کہا گیا تھا کہ اس سے مزین ہو کر تعلیم یافتہ طبقہ معاش کا ذریعہ آسانی سے پیدا کرے گا۔ اقبال کی نگاہ میں یہ مقصد غلامیٔ افرنگ کو اور زیادہ مضبوط اور دیرپا کرنے کا باعث ہوگا۔

وہ علم نہیں، زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے، جہاں میں دو کفِ جو

جدید تعلیم نے ''جان بھی گروِ غیر اور بدن بھی گروِ غیر'' کی کیفیت پیدا کر دی۔ اقبال دیکھ کر بڑے سوز سے تڑپ اٹھے۔

بہ طفلِ مکتبِ ما ایں دعا گفت   پئے نانے بہ بندِ کس میفتاد

(۴) بتایا گیا کہ جدید تعلیم سے روشن خیالی اور آزادیٔ ضمیر حاصل ہوگی، مگر اقبال کا تجربہ یہ ہے کہ یہ روشن خیالی در حقیقت ناپختہ ذہنی ہے۔ دینی عقائد سے بیزاری اور الحاد کی طرف رہبری ہے۔

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

الغرض جدید تعلیم اقبال کے نزدیک درحقیقت مسلمانوں کے خلاف ایک گہری سازش تھی۔ تعلیم کے حسین پردے میں نوجوانوں کو بے یقینی اور الحاد کی تاریک وادی میں چھوڑنا تھا۔ فرماتے ہیں۔

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین ومروت کے خلاف

علم، جو بذاتِ خود منبع خیر وقوت ہے، مظہر جبریل ہے......اب جدید طرزِ تعلیم سے شر وقہر کا مظہر اور ابلیس بنا۔

علم ازو رسوا است اندر شہرودشت
جبرئیل از صحبتش ابلیس گشت

(۵) اقبال کی نگاہ میں وہ علم جس میں عشق کا امتزاج نہ ہو، ناپسندیدہ ہے۔ وہ اسی علم کے مداح ہیں جس میں عشق کا امتزاج ہو۔ فرماتے ہیں۔

علم بے عشق است از طاغوتیاں
علم باعشق است از لاہوتیاں

گویا علم باعشق مشرف باسلام ہے، اس کی ضیاء پاشیوں سے جہاں منور ہے، دل زندہ ہے، روح خداشناس ہے اور علم بے عشق اسلام سے دور، طاغوت کا وجود، بے حرمان وبے نصیب ہے۔ اس سے دل تاریک اور جسم غلام ہوتا ہے۔

(٦) علم، اپنی وسعت کے باوصف اگر اسلام کے تابع نہ ہوتو وہ شیطان ہے، بولہب ہے۔ ضروری ہے کہ تمام علوم، قرآنی ہدایت کے تابع ہوں نہ کہ اس کو اپنے تابع بنائیں۔ جب تک قرآن، علوم پر حاکم نہ ہوگا علوم نامسلماں رہیں گے۔ اس حقیقت کو اقبال نے کس خوبی سے بیان کیا ہے۔

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی　　کشتۂ شمشیر قرآنش کنی!

(٧) سیکولر تعلیم نے اسلامی قومیت کی بقاونشوونما کو سخت نقصان پہنچایا، اقبال موجودہ تعلیمی تحریکات کو مسلم قومیت کی تشکیل کے لئے کافی نہیں سمجھتے، وہ چاہتے ہیں کہ ایسا عظیم الشان نظامِ تعلیم قائم کیا جائے جو ایک طرف تو افراد میں اسلامی شعور بیدار کرے اور دوسری طرف سیکولر نظام کے منفی اثرات کا بالکلیہ سدِ باب کرے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''اخلاق ومذہب کے اصول وفروغ کی تلقین کے لئے موجودہ زمانے کے واعظ کو تاریخ، اقتصادیات اور عمرانیات کے حقائق عظیمہ سے آشنا ہونے کے علاوہ اپنی قوم کے لٹریچر اور تخیل میں پوری دسترس رکھنی چاہیئے۔ الندوہ، علی گڑھ کالج، مدرسہ دیوبند اس قسم کے دوسرے مدارس، جو الگ الگ کام کررہے ہیں اس بڑی ضرورت کو رفع نہیں کرسکتے............''(١٧)

(٨) سیکولر تعلیم خواہ یہ مکتب کی تعلیم ہو یا کالج کی، اقبال کے نزدیک اسلامی قومیت کی تشکیل میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ سیکولر تعلیم سے قومیت کا مفہوم وہ بن جاتا جسے اہلِ

---

(١٧) مقالات اقبال، مرتبہ سید عبدالواحد معینی/ بحوالہ اقبال اور مسئلہ تعلیم از محمد احمد خاں۔ ص ٢٣٩

مغرب نے نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کی اشاعت وتشہیر میں پوری صلاحیتیں صرف کر دیں۔ یہ تصورِ قومیت، وطن، نسل، رنگ، زبان کے اجزائے ترکیبی سے نشو ونما پاتا ہے۔ حالانکہ اسلام انہی امتیازات کو مٹانے آیا تھا۔ بدقسمتی سے دار العلوم دیوبند کے طالب علم نہیں معلم، بلکہ صدر معلم نے جب اسلامی قومیت کا ناطہ وطن سے جوڑا تو اقبال سرتاپا احتجاج بن کر گویا ہوئے۔

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ!!
زِ دیوبند حسین احمد ایں چہ بو العجبی ست
سرود برسرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نرسیدی تمام بو لہبی است

(۹) اقبال تحقیق وجستجو کا متلاشی ہے۔ اس کے نزدیک تحقیق سے قوموں کا وجود ہے، مگر مغربی محققین، جنہیں ہم مستشرقین کہتے ہیں، کی تحقیق سے ناراض ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مستشرقین تحقیق کے پردے میں اپنے مقاصد، سیاسی ہوں یا تبلیغی، بروئے کار لانا چاہتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

''میں یورپین مستشرقین کا قائل نہیں کیونکہ ان کی تصانیف سیاسی پراپیگنڈا یا تبلیغی مقاصد کی تخلیق ہوتی ہے۔'' (۱۸)

---

(۱۸) اقبال نامہ، مرتبہ شیخ عطا اللہ/ بحوالہ اقبال اور مسئلہ تعلیم۔ ص ۲۹۱

(۱۰) اقبال کے نظریہ میں عورتوں کی تعلیم اس طرز کی ہونی چاہئے جو اسے اپنے فرائضِ منصبی سے آگاہ کردے، چراغِ محفل کی بجائے چراغِ خانہ بنادے۔ عورتوں کی تعلیم دین کی تعلیم بنیادی اور ابتداء سے ہی ہونی چاہئے۔ ضربِ کلیم کا قطعہ ملاحظہ ہو۔ عنوان ہے..........

''عورت اور تعلیم''

تہذیب فرنگی ہے، اگر مرگ اُمومت
ہے حضرت انساں کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بے گانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

تعلیم نسواں کے بارے میں اقبال نے جو کچھ اشعار کی صورت میں پیش کیا، اس کا خلاصہ انہی کی نثر میں ملاحظہ کیجئے۔

''ایک قوم کی حیثیت سے ہمارے استحکام کا انحصار مذہبی اصولوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنے پر ہے۔ جس لحہ یہ گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ شاید ہمارا حشر یہودیوں جیسا ہو جائے۔ تو پھر ہم اس گرفت کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟ کسی قوم میں مذہب کا محافظ خاص کون ہوتا ہے؟ عورت اور صرف عورت۔ اس لئے مسلمان عورت کو عمدہ، معقول و معتبر دینی تعلیم ملنی چاہئے۔ کیونکہ وہی فی الواقع قوم کی معمار ہے۔ میں مطلقاً آزاد طریقہ تعلیم کا قائل نہیں، دیگر تمام امور کی طرح طریقہ تعلیم کا تعین

بھی ایک قوم کی ضروریات کے ماتحت ہونا چاہئے۔ ہمارے مقاصد کے لئے مسلمان لڑکیوں کی دینی تعلیم کافی ہے۔" (۱۹)

(۱۱) اسلامی ریسرچ کی اہمیت، موجودہ دور میں اس کے تقاضے اور مستشرقین کی تحقیق کے بارے میں اقبال کے نظریات گذشتہ سطور میں گزر چکے ہیں۔ تحقیق اسلامی کے بنیادی شرائط اور تحقیق کی غرض وغایت کیا ہے؟؟ خود اقبال کی زبانی سنئے:

"مصر جائیے، عربی زبان میں مہارت پیدا کیجئے۔ اسلامی علوم، اسلام کی دینی و سیاسی تاریخ، تصوف، فقہ، تفسیر کا بغور مطالعہ کر کے محمد عربی کی اصل روح تک پہنچنے کی کوشش کیجئے"۔ (۲۰)

---

(۱۹) اقبال اور مسئلہ تعلیم۔ ص ۱۷۴

(۲۰) اقبال نامہ، حصہ اول مرتبہ شیخ عطاء اللہ/ بحوالہ اقبال اور مسئلہ تعلیم ص ۲۱۴

تعلیم

مختلف ماہرینِ تعلیم

کی نظر میں

تعلیم مختلف ماہرینِ تعلیم کی نظر میں

تعلیم اور مقاصد تعلیم سے متعلق ماہرین تعلیم کے نظریات معلوم کرنے کے پس منظر میں تعلیم کا فلسفیانہ انداز فکر میں دیکھنا ضروری ہے۔ ذیل میں ماہرینِ تعلیم کے تعلیم کے بارے میں چند اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔

☆ جسم اور روح سے متعلق تمام مبہم نظریات کی توضیح و تفہیم کا نام تعلیم ہے۔ (افلاطون)

☆ تعلیم کا مقصد باطل کی نفی اور حق و صداقت کی تصدیق ہے۔ (سقراط)

☆ تعلیم کا اصل مقصد مکمل حق و صداقت اور نیکی کے ذریعے خوشی حاصل کرنا ہے۔ (ارسطو)

☆ ایک صحت مند جسم کی پرورش اور نشو و نما تعلیم کا اہم مقصد۔ (جان لاک)

☆ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو حکومت اور خدا کی بے لاگ خدمت کے لئے تیار کیا جائے۔ اسے گھریلو فرائض اور اپنے پیشے کو خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کی تلقین کی جائے۔ (مارٹر لوتھر)

☆ تعلیم انسان کی مجموعی نشو و نما کا نام ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد اعلیٰ اللہ تعالیٰ سے مل کر مسرت و شادمانی سے ہم کنار ہونا ہے۔ (جان کوئینس)

☆ تعلیم کو جو فرض ادا کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کو پوری طرح زندگی بسر کرنے کے لئے تیار کر دے۔ ہر حالت اور ہر معاملہ میں اپنی روش و طرزِ عمل کو درست کر دے۔ (ہربرٹ سپنسر)

☆ تعلیم کا مقصد اچھا انسان بنانا ہے۔ اچھے انسان کے لئے جسم اور نفس دونوں کی تربیت کرنی چاہئے۔ (ہربرٹ سپنسر)

☆ تعلیم کی مجلس جماعت کی ایک ایسی پر مقصد کوشش کا نام ہے جو وہ اپنے آپ کو برقرار

رکھنے اور بہتر بنانے کے لئے کرتی ہے۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین)

☆ تعلیم ایسی ہر کوشش کو کہا جا سکتا ہے جس کا مقصد معلومات میں تبدیلی، مہارتوں (ہنر) میں تبدیلی اور سوچنے کے انداز میں تبدیلی ہو۔ (میر فاروق علی عثمانی)

☆ تعلیم دل کے یقین وطمانیت کا معاملہ ہے۔ یقین وطمانیتِ قلب کے بغیر تعلیم ایک بے ثمر درخت ہے۔

☆ تحصیل علوم سے غرض یقین کی دولت پانا ہے۔ تعلیم اگر یقین عطا نہ کر سکے تو وہ بے فائدہ ہے۔ (امام غزالی)

☆ تعلیم حاصل کرنے والا، دل کی تکمیل اور جلا دینے، پاک کرنے اور اس کو قربِ الٰہی تک پہنچانے میں مشغول رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم کا تعلیم کرنا ایک طور سے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور ایک طرح سے اس کی خلافت۔ (امام غزالی)

☆ طریقہ تعلیم ایک طرح کا نفسیاتی عمل ہے، جس سے ذہن کے سانچے بنائے جاتے ہیں۔ (محمد احمد خاں)

☆ اسلام ایک خالص تعلیمی تحریک ہے۔ صدر اسلام میں سکول نہ تھے، کالج نہ تھے، یونیورسٹیاں نہ تھیں، لیکن تعلیم وتربیت اس کی ہر چیز میں ہے۔ خطبہ جمعہ، خطبہ عید، حج، وعظ غرض تعلیم وتربیت کے بے شمار مواقع اسلام نے بہم پہنچائے ہیں۔ (اقبال)

☆ تعلیم ایک ایسا فعل ہے جس پر غالباً علم مرتب ہو۔ (بیضاوی)

تعلیم کا تعلق زندگی کے ہر پہلو سے ہے۔ معاش کی تعلیم، معاد کی تعلیم، معیشت کی تعلیم، معاشرت کی تعلیم، جسمانی امور کی تعلیم، روحانی امور کی تعلیم، عبادات کی تعلیم،..........

تعلیم دینے والا خود اللہ تعالیٰ ہے، اس کے رسول بھی تعلیم دیتے ہیں اور علماء ومشائخ بھی تعلیم دیتے ہیں۔ اس لئے تعلیم کا فعل تو فطری طور پر ہر وقت اور ہر جگہ جاری وساری ہے۔ خطبہ، تصنیف، افتاء، تبلیغ، ارشاد.........غرض یہ تمام شعبے تعلیم ہی کے ہیں۔

مگر سر دست اس کتاب میں صرف اسی تعلیم سے گفتگو ہے جو متعارف معنوں میں ہماری درسگاہوں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں رائج ہے۔ خواہ وہ علمی ہو یا فنی۔

نظریۂ تعلیم

گذشتہ صفحات میں آپ نے مختلف مفکرین اور ماہرینِ تعلیم کے تعلیم سے متعلق نظریات معلوم کیے۔ اگرچہ وہ مختصر تھے تاہم آپ نے یقیناً محسوس کیا ہوگا کہ تعلیمی نظریات میں بہت اختلاف ہے۔ یہ اختلاف بعض حالات میں تو تضاد بھی بن جاتا ہے۔ تعلیم اگرچہ قدرتی اور فطری امر ہے، اس کے باوجود تعلیمی نظریات میں اختلاف کا باعث کون سا امر ہے۔؟

واقعہ یہ ہے کہ مختلف مفکرین اور ماہرین کے تعلیمی نظریات میں انتہائی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ یہ اختلافات کیوں رونما ہوئے۔ تعلیمی نظریات میں اختلافات وتضادات پیدا کرنے والے عوامل مختلف نوعیت کے ہیں۔ ان میں سے چند ایک جو نہایت موثر ہیں، یہ ہیں۔

۱۔ اختلاف مکان
۲۔ اختلاف زمان
۳۔ اختلاف حکومت
۴۔ اختلاف مذہب

اختلاف مکان

مکان (جگہ) کی تبدیلی سے بہت سے اختلافات رونما ہوسکتے ہیں۔ موسم کی تبدیلی، آب وہوا کی تبدیلی، رنگ ونسل کی تبدیلی، خوراک کی تبدیلی، طرز بودوباش کی تبدیلی، زبان کی تبدیلی.........وغیرہ

ہر جگہ (مکان) کے کچھ مخصوص تقاضے ہوتے ہیں، جن کو پورا کرنا ہی بقائے حیات

کا موجب ہوتا ہے۔ان مخصوص تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تعلیم سے مدد لی جاتی ہے۔ اندریں حالات مشرقی علاقوں کے ان مخصوص تقاضوں کے پیش نظر جو تعلیمی نظریہ مرتب ہوگا وہ یقیناً مغربی علاقوں کے لوگوں کے لئے بے سود ہوگا۔ممکن ہے وہ نظریہ ان کے لئے ضرر رساں ہو۔

اختلاف زمان

جس طرح مکان کی تبدیلی اور بہت سی تبدیلیوں کا باعث بنتی ہے،اسی طرح زمانہ کے تبدّل سے بہت سی تبدیلیاں واقع ہونا فطری امر ہے۔جو تقاضے زمانہ قبل مسیح میں تھے وہ زمانہ بعد مسیح میں نہ رہے۔اسلام سے قبل جو حالات اور تقاضے تھے،بعد از اسلام وہ تقاضے قطعاًبدل گئے۔صدرِ اسلام میں جس قسم کے حالات تھے ان کو پورا کرنا تعلیم کی ذمہ داری تھی۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ حالات میں تبدیلی آئی......تقاضے بدلے......اندازِ فکر میں تبدیلی آئی......اس کے ساتھ ساتھ تعلیمی نظریات میں تبدیلی آتی رہی۔

لہٰذا صدرِ اسلام میں جس قسم کے علوم معاشرتی کفایت کرتے تھے،بعد میں ان کی افادیت میں تبدیلی آگئی،اور جو علوم اس دور میں بے کار و بے فائدہ تھے،آج ان کی قدر اس قدر ہے کہ ان سے صرفِ نظر ممکن نہیں۔یوں زمان کی تبدیلی،تعلیمی نظریات میں موثر وفعال طور پر تبدیلی کا موجب بنتی ہے۔

اختلاف حکومت

حکمران طبقہ کے اپنے مخصوص مفادات ہوتے ہیں اور بعض ترجیحات ہوتی ہیں، جن کو پورا کرنے کے لئے وہ طبقہ اپنی پوری استعداد صرف کردیتا ہے، اور اپنے تمام وسائل اس طرف متوجہ کردیتا ہے۔ تاکہ اس کے مخصوص مفادات پروان چڑھ سکیں۔ لیکن اسی جگہ جب دوسری حکومت برسر اقتدار آتی ہے تو وہ اپنے مفادات لے کر ابھرتی ہے۔ مفادات کے لئے وہ پہلی حکومت کے متعین کردہ نظامہائے تعلیم کو یکسر ختم کردیتی ہے، یا ان میں اس انداز کی تبدیلی کرتی ہے کہ اب یہ "چیز دیگر" بن جاتی ہے۔ نئی حکومت اپنی ترجیحات کو حاصل کرنے کے لئے اپنے تمام وسائل بروئے کار لاتی ہے۔ اس طرح اختلاف سلطنت وحکومت تعلیمی نظریات میں اختلاف کا باعث بن سکتا ہے۔

اختلاف مذہب

ہر مذہب کی اپنی تعلیمات ہوتی ہیں جن کی بنا پر ہی وہ دوسرے مذہب سے جدا وممتاز ہوتا ہے۔ مذاہب کی جدا جدا تعلیمات کو اگر درمیان سے ہٹا دیا جائے تو تمام مذاہب ایک ہی مذہب بن جائیں...... مگر اس حاصل شدہ ملغوبے کو مذہب کہنا بے جا ہوگا۔(۱)

(۱) اختلافِ مذاہب کو دور کرنے اور ایک مذہب بنانے کے لئے بارہا بہت سے سرپھروں نے ناکام کوششیں کیں مگر سوائے الحاد وزندقہ کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ان لوگوں نے اپنے مذموم مقصد کے لئے بڑے خوبصورت پروگرام پیش کئے۔ مثلاً یہ کہا گیا کہ ہم اختلاف مذاہب کو مٹا کر اتحاد کی فضا پیدا کریں گے یا یہ کہ ہم نے تمام مذاہب کی اچھائیوں کو جمع کردیا ہے۔ اس قسم کی کوششوں میں اکبر کا دینِ الٰہی اور موجودہ صدی میں نام نہاد قوم پرست مسلمانوں کی گاندھی کے ایما پر متحدہ قومیت کی تشکیل کی تحریک ہے۔ ان دونوں تحریکوں کا مقصد برصغیر کے تمام مذاہب کو ملا کر ایک قوم بنانا تھا، الحاد وزندقہ پر مشتمل ان تحریکات کا بروقت ردِ بلیغ حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے رفقا اور امام احمد رضا اور ان کے متوسلین نے فرمایا۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ فقیر قادری عفی عنہ

جداگانہ تعلیمات کی بدولت ان مذاہب کا امتیاز برقرار رہتا ہے، جو نظریات اور تقاضے عیسائیت کے ہیں وہ یہودیت کے نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اسلام جن تعلیمات پر زور دیتا ہے وہ ہندوازم اور سیکولرازم کے لئے یقیناً موت کا پیغام ہیں۔ ان اختلاف مذاہب کے باعث نظریہ ہائے تعلیم میں تبدیلی کا واقع ہونا فطری امر ہے۔

اس اجمال کو ہم ذرا تفصیل سے دیکھتے ہیں۔

مشہور ماہر تعلیم ہربرٹ سپنسر کی کتاب ایجوکیشن کا اردو ترجمہ خواجہ غلام الحسنین پانی پتی نے کیا اور ساتھ ہی اصلی کتاب کا خلاصہ بھی بیان کیا۔ کتاب ایجوکیشن کے باب دوم میں ہربرٹ سپنسر نے جن خیالات کو پیش کیا ہے خواجہ غلام الحسنین نے ان کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

> "باب دوم میں عقلی علوم سے بحث کی گئی ہے۔ تمہید میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایک زمانہ کا طریقۂ تعلیم و تادیب اس زمانہ کی معاشرت کے موافق ہوتا ہے۔ جس زمانہ میں بادشاہ مطلق العنان ہوتے تھے اور عام طور پر خودمختاری کا دور دورہ تھا، اور خفیف جرموں پر سخت سزائیں ملتی تھیں۔ اس زمانے میں مدارس کی تادیب بھی ویسی ہی سخت ہوتی تھی، مگر آج کل جس طرح بادشاہوں کے اختیارات بھی کم ہوگئے ہیں، بچوں کی تعلیم و تربیت میں سخت گیری کم ہونے لگی ہے............" (۲)

(۲) "فلسفہ تعلیم" اردو ترجمہ خواجہ غلام حسنین پانی پتی، ناشر ڈیوٹی بک ڈپو مدرسۃ العلوم علی گڑھ مطبع مفید عام آگرہ (۱۹۰۶ء) مقدمہ ص ۳۴

نوٹ: کتاب مذکور پر علامہ محمد اقبال کی تقریظ بھی ہے۔ علامہ محمد اقبال کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔
"جناب مولوی محمد اقبال صاحب! ایم۔ اے، اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور... علامہ اقبال موجودہ متعارف معنوں میں تو مولوی نہ تھے۔ مولوی کا لفظ کبھی علامہ یا استاد کے ہم معنی تھا۔ تبدل حال و زمانہ سے الفاظ کا استعمال بدل جاتا ہے۔
فقیر قادری عفی عنہ

نظریۂ تعلیم کی سمت متعین کرنے میں مکان و زمان کے تقاضوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اس بارے میں مشہور ماہر تعلیم جان ڈیوی لکھتا ہے۔

"یوں آپ کہہ سکتے ہیں کہ سمت متعین کرنے کے دو پہلو ہیں۔ ارتکاز و تنظیم۔ ان میں ایک مکانی ہے اور دوسرا زمانی۔ مکانی صحیح نشانہ لگانے کی غرض سے اور زمانی اس توازن کو قائم رکھنے کے لئے، جو مزید عمل کے لئے ضروری ہے۔" (۳)

ایک اور ماہر تعلیم سید فاروق علی نے انقلابات و تجربات سے استفادہ کی بحث میں اسی حقیقت کی طرف نہایت اختصار سے اشارہ کیا ہے۔

"مگر ہوا ہمیشہ یہی ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی بساطِ ذات کے مطابق زندگی کی گونا گونیت کا متلاشی ہوا۔ تب ہر چیز اور وقت کے ہر موڑ نے اس کی طرف اتنا ہی کچھ منعکس کیا جتنا اس کے شعور کے پرتو نے چاہا۔ یعنی بات ظرف، مقدار عطا اور وقت کی کروٹ تینوں کی ہے۔" (۴)

تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ "ہومر" کو یونان میں معمار اولیں تصور کیا جاتا تھا۔ وہ اخلاقی تعلیم پر زور دیتا تھا اور نوجوانوں کو مثالی کردار کا حامل بنانے کا خواہاں۔ اس کے برعکس "سپارٹا" کی تعلیم میں عملی پہلو نمایاں تھا۔ اس کے ہاں تعلیم کے دو بنیادی نکتے تھے۔

اول فوجی قوت کا دبدبہ۔ دوم مملکت کی حفاظت کا تصور

(۳) جمہوریت اور تعلیم۔ مترجمہ سید محمد تقی۔ ایڈیٹر روزنامہ، جنگ، کراچی۔ مطبوعہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی بار دوم ۱۹۶۸ء، ص ۹۶

(۴) "تعلیم کی نظریاتی اساس" مطبوعہ ندیم پبلی کیشنز، راولپنڈی، بار دوم (۱۹۸۱ء) ص ۱۱۳، ۱۱۴

اسی نظریہ کے حوالہ سے وہ نوجوانوں کو باقاعدہ فوجی تربیت لازمی طور پر دیتا تھا۔ پانچویں صدی تک ایتھنز علمی طور پر مرکزی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ اس زمانہ میں فلسفہ کا طوطی بول رہا تھا۔ سقراط...... افلاطون اور ارسطو نے علم و بحث کے نئے نئے انداز شروع کئے۔

اسلام نے آ کر ہر مسلمان پر علم فرض قرار دے دیا۔ اگر چہ اسلام نے تمام علوم وفنون سیکھنے کی اجازت دی ہے مگر وہ علوم جو روحانی اور معاشرتی طور پر اصلاح احوال کا کام کرتے ہیں ان کا سیکھنا اسلام نے فرض قرار دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں چونکہ فتوحات اسلام کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا، اس لئے والدین کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی اولاد کو فنون سپہ گری کے کرتب سکھائیں۔ اس دور میں تلوار چلانا، گھوڑے پر سواری کرنا، تیر چلانا، کشتی کرنا وغیرہ فنون کی تعلیم عام تھی۔ یہ کیفیت بنوامیہ و بنوعباس کے دور میں بھی رہی۔ امراء ورؤساء اپنے بچوں کو یہ فنون سکھانے میں بڑا فخر محسوس کرتے۔ برصغیر میں اسلام صوفیاء کے ذریعے پھیلا۔ صوفیاء کی تعلیمات کا جزو اعظم روحانیت میں ترقی اور اصلاحِ احوال وتصفیۂ اخلاق تھا۔

محمد تغلق کے زمانہ میں عسکری تعلیم عام تھی۔ جا بجا عسکری تعلیم و تربیت کے مرکز بنے ہوئے تھے۔

فیروز تغلق کے دور حکومت میں سرکاری وغیر سرکاری کارخانے کافی تعداد میں موجود تھے۔ جہاں کاریگر مختلف مصنوعات تیار کرتے۔ ان کارخانوں کا نظام چلانے کے لئے صنعتی تعلیم کا رواج عام تھا۔ یہی حال مغلیہ دور حکومت کا رہا۔ مغلیہ دور حکومت میں ہر قسم کے

فنون اور صنعت ہر نوع کو ترقی دی گئی۔ کار گروں کی سرکاری سرپرستی ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف صنعت وحرفت کے جملہ فنون کے کاریر بکثرت پائے جاتے۔ علاوہ ازیں خالص مذہبی تعلیم کے الگ ادارے موجود تھے۔ جن میں فارسی اور عربی کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث، تفسیر وفقہ، علوم اسلامیہ کی تعلیم عام تھی۔ اسلامی مرکزی اداروں میں بنیادی مذہبی تعلیم کے علاوہ علومِ عقلیہ، فلسفہ، منطق، ریاضی، ہیئت، نجوم، فلکیات اور ادبیات وغیرہ کی تعلیم کا انتظام بھی ہوتا۔ ہر ادارے کے نصاب میں تصوف اور اخلاقی تعلیم لازمی عنصر کے طور پر موجود ہوتے تھے۔ برصغیر میں غیر ملکی تسلط کے بعد یہ سارا نظام تعلیم تبدیل کر دیا گیا۔

فرنگی کا تسلط یہاں بزورِ شمشیر ہوا۔ یہاں کے باشندے اسے ناپسند کرتے تھے۔ وہ مغلوب ہو کر بھی اس سے نجات کے خواہاں تھے۔ اندریں حالات انگریز مدبرین نے اپنے قیام کو مضبوط کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کئے۔ سب سے کامیاب حربہ تعلیم کا تھا، جو انتہائی کامیاب ہوا۔ ساری صورت حال کو سمجھنے کے لئے سر چارلس ٹریویلین، گورنر مدراس، جو لارڈ میکالے کا رشتہ دار بھی تھا، کی ایجوکیشن انکوائری کمیٹی کے کارکن کی حیثیت سے ۱۸۳۸ھ میں پیش کی گئی ایک رپورٹ کے طویل اقتباس کا مطالعہ مفید مطلب ہے۔

"مسلمانوں کا نظام تعلیم طاقت، فخر ومباہات اور جوش عزائم پر مبنی ہے۔ اقتدار کی ہوس اور لذائذ جسمانی مذہب کی تائید میں لائے جاتے ہیں۔ کرہ ارض مومنین کی میراث ہے۔ ان کے علاوہ سب کافر اور غاصب ہیں جن سے بجز سیاسی مقتضیات کے کوئی روابط نہیں رکھے جاسکتے۔ تمام ملک باختیار خداوندی مسلمانوں کی ملک ہے۔...... ہندوؤں کا نظام اگرچہ کم خوفناک اور

کم متشددانہ نہیں۔..........عربی اور سنسکرت نظامہائے تعلیم کے یہ میلانات جو ہماری خوش بختی سے اپنی پوری قوت کے ساتھ بہت مشکل زبانوں میں لکھی ہوئی کتابوں اور چند علماء کے ذہنوں میں بند ہیں جو شاذ و نادر ہی نہایت مضمحل انداز میں لوگوں کے جذبات میں جھلکتے ہیں۔لیکن اس نظام تعلیم کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو ان کو دوبارہ زندہ کردے ،تازہ کردے اور مسلمانوں کو مستقل طور پر یاد دلاتا رہے کہ وہ کافر ہم (انگریز) ہی ہیں۔ جنھوں نے مومنوں کو ان کی بہترین سلطنت سے محروم کیا ہے۔...... ہمارے بدترین دشمن اس سے زیادہ خواہش نہ کرسکتے تھے کہ ہم ایسے نظام ہائے تعلیم کو پھیلائیں جو خود ہمارے ہی خلاف فطرت انسانی کے شدید ترین جذبات کو مشتعل کردیں۔

جب تک دیسی لوگ اپنی گذشتہ آزادی پر کڑھتے رہیں گے،اپنے احوال کو بہتر بنانے کے لئے ان کی ایک ہی تدبیر ہوگی کہ وہ اس ملک سے انگریزوں کو بتمام وکمال جبراً نکال دیں .... صرف یورپی تصورات سے ان لوگوں کو گرما کر ہی یہ ممکن ہے کہ ان کے قومی نظریات کو ایک نیا رخ دیا جاسکے۔جن نوجوانوں کی تربیت ہمارے تعلیمی مرکزوں میں ہوتی ہے،وہ نہایت تحقیر کے ساتھ مطلق العنانی کی اس بربریت کو پھر کر دیکھتے ہیں ،جس کے تحت ان کے اسلاف کراہتے رہتے تھے اور انگریزی طرز کے ان قومی اداروں کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں اور ہمیں

ناپسند کرنے کے بجائے ہمارے ساتھ رہنے کو پسند کرتے ہیں اور ہمیں اپنا فطری محافظ اور محسن سمجھتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی آرزو ہمارے مشابہ ہو جانا ہے اور ہماری راہنمائی میں اپنے ہم وطنوں کے کردار کو بلند کرنے اور بتدریج ایک پر لطف اور منظم، اور اس لئے ایک محفوظ اور پر مسرت آزادی کے حصول کی توقع رکھتے ہیں .... انگریزی ادب کی روح انگریزوں سے روابط پیدا کرنے میں انتہائی موافق اثرات پیدا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی .... اور ہمارے ہی طریقے پر تعلیم پا کر، ہمارے ساتھ، ہمارے ہی مشاغل میں دلچسپی لے کر، ہمارے ہی مقاصد کے حصول کے لئے جدوجہد کر کے وہ ہندیوں سے زیادہ بالکل اسی طرح انگریز بن جاتے ہیں جس طرح رومن صوبوں کے لوگ اطالویوں اور فرانسیسیوں سے زیادہ رومن بن گئے۔ آخر وہ کیا چیز ہے جو ہمیں وہ بناتی ہے جو ہم ہیں بجز اس کے کہ ہم انگریزوں کے ساتھ رہتے ہیں، انگریزی عادات اختیار کرتے ہیں۔......... ناپسندیدہ نتائج کو روکنے اور پسندیدہ نتائج کو حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم ملکیوں کو یورپی انداز کی ترقی کے حصول میں مصروف کر دیں۔ ایسا کرنے سے وہ قدیم ہندی بنیادوں پر آزادی حاصل کرنے کی خواہش سے دست بردار ہو جائیں گے .... اور ہماری رعایا میں کوئی طبقہ ایسا نہیں ہوگا جن کے لئے ہمارا وجود اتنا ضروری ہو جتنا ان لوگوں کے لئے جن کے

خیالات انگریزی نمونے پر ڈھل گئے ہوں گے۔............... ہمارے ہاتھوں سے مسرت اور آزادی کی تربیت پا کر، ہمارے علوم اور سیاسی اداروں سے مستفید ہو کر، برطانوی احسان کے سب سے زیادہ قابل فخر نمونے کی حیثیت سے ہندوستان باقی رہے گا۔ اور یہاں کے لوگوں کی محبانہ وابستگی اور ان کے ملک سے عظیم الشان روابط کی صورت میں ہم مدت دراز تک اپنی ''فراخدلانہ پالیسی'' اور ''روشن حکمت عملی'' کا پھل پاتے رہیں گے۔ جس نے اس طرز عمل کی طرف ہماری رہنمائی کی تھی۔ اس راہ کو اختیار کرنے میں ہم کوئی نیا تجربہ نہیں کر رہے ہوں گے۔ رومیوں نے فی الفور یورپی قوموں کو مہذب بنا دیا اور انہیں رومیوں کے رنگ میں رنگ کر اپنی حکومت سے وابستہ کر کے، بالفاظ دیگر ان کو رومی ادب اور رومی فنون کی تعلیم دے کر فاتحوں کی نقل اور اتباع کی تربیت دے کر اپنا لیا، اور جو مقبوضات جنگی غلبے سے حاصل کئے گئے تھے، فنون امن کی برتری سے مستحکم ہو گئے اور ابتدائی مظالم اور شدائد کی یاد بعد میں پیدا ہونے والے فوائد میں فراموش کر دی گئی اور اطالیہ، اندلس، افریقہ اور فرانس کے صوبوں میں رومیوں کے اتباع اور ان کی نعمتوں میں ان کے ساتھ شریک ہونے کے علاوہ کوئی آرزو باقی نہ رہ گئی تھی .... ہندوستانیوں کو بہت جلد ہم سے وہی نسبت ہو جائے گی جو ہمیں رومیوں سے تھی .... اس کے باوجود ایک مسلم نوجوان جس نے انگریزی تعلیم

پائی ہے، اس شخص سے جس نے اپنے باپ دادا کے طریق کامل پر تعلیم
پائی تھی، بہت ہی مختلف طرز کا انسان تھا، جیسے جیسے یہ تغیر بڑھتا جائے گا،
ہندوستان بالکل ایک اور ہی ملک بن جائے گا اور اشتعال پذیر مذہبی
جذبات کا نام بھی سننے میں نہ آئے گا۔" (۵)

مندرجہ بالا اقتباس کسی مزید تشریح کا محتاج نہیں، انگریزی نظامِ تعلیم کے مقاصدِ اندرونی کا آئینہ دار ہے۔ اسی حقیقت کو علامہ اقبال نے کتنے اختصار سے بیان کیا ہے۔

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظام تعلیم !!
ایک سازش ہے فقط دین ومروت کے خلاف

یہ امر کس قدر افسوس ناک ہے کہ انگریز نے یہاں پوری طرح تسلط پانے سے قبل ہی اپنا نظام تعلیم (جہاں ممکن ہوسکا) رائج کر دیا۔ پاکستان کا موجودہ نظام تعلیم وہی ہے جسے انگریزی حکومت نے اپنے مفادات ومقاصد کے لئے تجویز ورائج کیا تھا۔ پاکستان کی بنیاد ایک نظریہ پر ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ صاحب اقتدار تاحال اس طرف پوری طرح متوجہ نہیں کہ کم از کم انگریزی اقتدار سے قبل جو نظریات یہاں مسلمانوں میں رائج ومتداول رہے ان کے مفید اجزاء ہی بحال کر دیئے جاتے۔

تبدل احوال سے احکام بدل جاتے ہیں، اس کے ساتھ نظریات میں بھی تبدیلی

---

(۵) تعلیم کا مسئلہ اور اس کا حل، مصنفہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی۔ ناشر آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس۔ ص ۳ تا ۹

آجاتی ہے۔زبان کی تعلیم، خواہ کوئی سی زبان ہو، موجودہ دور میں اس کی مذمت نہیں کی جاسکتی کہ بین الاقوامی حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ قوموں کے درمیان قریبی رابطہ ہو، اور یہ رابطہ زبان فہمی وزبان دانی کی بدولت ہی قائم رہ سکتا ہے۔ایک وقت تھا کہ مغربی علوم بالخصوص انگریزی کی تعلیم کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔اس بارے میں حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کا حوالہ پیش کرنا ضروری ہے۔آپ فرماتے ہیں۔

''............آدمی کو یہی اولیٰ وانسب ہے کہ دنیا کو دنیا کے کاموں سے طلب کرے اور خدا کا نام خدا ہی کے واسطے لے۔دین کے کاموں سے دنیا تلاش نہ کرے، گوہر آبدار میں نجاست نہ بھرے۔اگر کوئی شخص کہے کہ دنیا کی طرف سے ہمیں علم آپ پھیر لے گا جیسا اگلے لوگوں نے کہا کہ

تَعَلَّمْنَا الْعِلْمَ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَاَبَی الْعِلْمُ اَنْ یَّکُوْنَ اِلَّا اللّٰہ

یعنی خدا کے واسطے ہم نے علم نہیں پڑھا مگر علم ہمیں خود خدا کی طرف لے گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کتاب اور سنت اور اسرارِ راہ آخرت اور حقائق شریعت کا علم تھا، جو خود ان لوگوں کو خدا کی طرف لے گیا تھا۔دیکھنا چاہئے کہ رجوع بخدا ان لوگوں کے دلوں میں تھا۔دنیا کے لالچ کو وہ لوگ مکروہ جانتے تھے۔بزرگوں کو دیکھتے تھے کہ دنیا سے دور بھاگتے تھے۔ان لوگوں کو آرزو تھی کہ ایسے بزرگوں کی اطاعت اور اقتداء کریں۔

جب وہ علم تھا اور زمانہ ویسا تھا تو لوگ اس بات کے امیدوار ہوسکتے تھے کہ خود علم کی صفت پر ہوجائیں گے، علم ان کا تابع نہ ہوجائے گا اور جو علم اس زمانے میں پڑھے جاتے ہیں مثلاً اپنے مذہب کے خلاف جو علم ہیں جیسے فلسفیات، انگریزی، ناگری وغیرہ اور علم کلام

اور قصہ کہانی اور واہی تباہی.......... آدمی کو دنیا کی طرف سے ہرگز نہیں پھیرتا ولَیسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَۃِ اگلے لوگوں کا حال سنا ہوا ہے اور اس زمانے کے علم اور عالموں کا حال دیکھا ہوا ہے۔ مصرعہ..........

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

وہ اور یہ برابر نہیں ہوسکتا ہے۔'' (٦)

نظریات تو بہرحال نظریات ہوتے ہیں، ان میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ بعض احکام شرع بھی زمان ومکان کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ فقہ کی زبان میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

''اور بہت احکام ہیں کہ زمانے یا مقام کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں۔ یعنی ایسی جگہ احکام سابقہ سے سند لانا حماقت ہے۔ جو حاجت اب واقعہ ہوئی اگر زمانہ سلف میں واقع ہوتی تو وہ بھی یہی حکم کرتے جو اس وقت ہم کرتے ہیں۔'' (۷)

زمان ومکان کی تبدیلی سے نظریات اور بعض احکام میں تبدیلی کے باوجود ایک مسلمان مفکر اور ماہرِ تعلیم کے نزدیک اسلام کے بنیادی اصولوں میں کمی بیشی کرنا یا ان میں ترمیم وتنسیخ کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ اسلام زمان ومکان کی پابندیوں سے آزاد ہے۔ یہ ازلی وابدی رب کریم کا ازلی وابدی دین ہے۔ لہٰذا کسی اسلامی نظریۂ تعلیم میں قرآن وسنت کی بنیادی تعلیم سے صرف نظر ممکن نہیں، یا تفسیر وفقہ کی تعلیم نہ شامل کر کے کوئی تعلیم، اسلامی تعلیم

(٦) اکسیر ہدایت اردو ترجمہ کیمیائے سعادت۔ مطبوعہ نو کشور لکھنؤ (۱۸۹۰ء)۔ ص ٦٥

(۷) بریق المنار بشموع المزار، مصنفہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ، دار الاشاعت جامعہ گنج بخش لاہور۔ ص ۱۴ تا ۱۵

نہیں کہلا سکتی۔ بعض مفکرین نے غیروں کی دیکھا دیکھی اوران سے مرعوب ہوکر اپنی تعلیم کی بنیاد انہی کے خطوط پر استوار کی، جب عامۃ المسلمین کے دباؤ کو دیکھا تو اس تعلیم میں بنیادی تبدیلی کئے بغیر ''دینیات'' کا ضمیمہ شامل کر دیا۔ ممکن ہے ایسا کرکے وہ کسی حد تک کامیاب ہو جائیں تاہم اس تعلیم کو ''مسلمانوں کی تعلیم'' کہنا روا نہیں .... امام احمد رضا قدس سرہ بنیادی طور پر اسلامی مفکر ہیں اس بنا پر آپ کی تجویز کردہ طرز تعلیم میں زمان و مکان کے تقاضے تو یقیناً پورے ہوں گے مگر بنیادی طور پر دینی تعلیم کو اولیت حاصل رہے گی۔

الانتباہ

مغربی طرز تعلیم کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ مغربی تعلیم یافتہ حضرات اپنے طور پر سمجھے بیٹھے ہیں کہ قدیم طرز پر تعلیم پائے ہوئے افراد میں ملکہ تحقیق اور قابلیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ وہ صرف مسجد کے امام، نکاح خواں یا واعظین بن سکتے ہیں۔ یہ لوگ تحقیق سے عاری ہوتے ہیں ....وغیرہ وغیرہ

یہ خیال سرے سے غلط ہے۔ قدیم طرز کی مشرقی تعلیم طلباء میں وہ صلاحیت پیدا کرتی تھی کہ آج کی یونیورسٹیوں کے فاضل بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ تحقیقی اور علمی میدان میں انکا کوئی ہمسر نہیں ہو سکتا۔ اپنی بے نفسی اور سادگی سے ہمیشہ یہ لوگ ہیچ مدانی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ (۱)

جنرل سلیمان، جوٹھگی کے انساد کی وجہ سے ہندوستان کی تاریخ میں ممتاز مرتبہ رکھتے ہیں اور جنہیں ہندوستانیوں کے ساتھ ملنے جلنے کا اتفاق عام یورپیوں سے زیادہ ہوتا رہا۔ ہندوستان کے دور زوال کی تعلیم کی عظمت کا اعتراف یوں کرتے ہیں۔

”دنیا میں ایسی قومیں بہت کم ہوں گی جن میں تعلیم اس قدر عام ہے جس قدر ہندوستان کے مسلمانوں میں۔ ان میں جو کوئی بیس روپیہ ماہوار کا متصدی ہوتا ہے وہ اپنے لڑکوں کو

---

(۱) مشہور فاضل و محقق پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، امام احمد رضا کے فضل و کمال کا اس طرح اقرار کرتے ہیں ”اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں، ان کے فضل و کمال، ذہانت، فطانت، طباعی ودرّاکی کے سامنے بڑے بڑے علماء، فضلاء، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین، مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے ....مختصر یہ کہ وہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا، وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں۔“ بحوالہ حیات مولانا احمد رضا بریلوی۔ ص ۱۵۱۔ از پروفیسر محمد مسعود احمد۔

اس طرح تعلیم دیتا ہے جس طرح ایک وزیر اعظم اپنی اولاد کو، اور جو علوم ہمارے بچے لاطینی اور یونانی زبانوں میں اپنے کالجوں میں حاصل کرتے ہیں وہی یہ لوگ عربی اور فارسی زبانوں میں سیکھتے ہیں اور سات سال کے درس کے بعد ایک طالب علم اپنے سر پر، جو آکسفورڈ کے فارغ التحصیل طالب علم کی طرح علم سے بھرا ہوتا ہے، دستارِ فضیلت باندھتا ہے اور اسی طرح روانی سے سقراط، ارسطو، افلاطون، بقراط، جالینوس اور بو علی سینا پر گفتگو کر سکتا ہے جس طرح آکسفورڈ کا کامیاب طالب علم۔" (۲)

علماء کے سادہ معمولی مکان، مسجدوں کے صحن اور خانقاہوں کے حجرے قدیم طرز تعلیم میں مرکز علوم و تحقیق کا کام دیتے تھے۔ جدید مغربی تعلیم کے زیرِ اثر ان علمی مراکز کے خلاف ایک باقاعدہ سازش کی جارہی ہے۔ حالانکہ یہی سادہ اور تکلف سے دور علمی مراکز آج کی پر تکلف علمی درسگاہوں سے کسی صورت میں بھی کم درجہ نہ تھے۔

مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، مدرسے اور دار العلوم کے بارے میں لکھا ہے کہ جس پائے کے علماء ان درسگاہوں سے اٹھے آج کے دور کو وہ علماء نصیب نہیں۔

شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

"اگر چہ ۱۴۳ھ کے متصل ہی ممالک اسلامی میں درس و تدریس کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا اور انہی دو تین صدیوں میں جس درجے کے

(۲) تاریخ روہیل کھنڈ مع تاریخ بریلی، مولفہ مولوی عبد العزیز خان بریلوی، ص ۲۷۹، ۲۸۰

جنرل سلیمن کی تصدیق پر مولوی عبد العزیز خاں بریلوی اس طرح تبصرہ کرتے ہیں۔ "ان سطور میں تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شمالی ہندوستان کا نظام تعلیم اس زمانہ کے انگریزی نظام تعلیم سے یا آکسفورڈ کے موجودہ کلاسیکل کورس کے مقبول عام نصاب سے کسی طرح پست نہ تھا۔" تاریخ روہیل کھنڈ۔ ص ۲۸۰

سینکڑوں ہزاروں مجتہد، فقیہ، ادیب، شاعر، فلاسفر، مورخ پیدا ہوگئے۔ زمانے کو نو سو برس کی وسیع مدت میں بھی اس پایہ کے لوگ نصیب نہیں ہوئے۔ لیکن تعجب ہے کہ تاریخ کے صفحوں میں چوتھی صدی کے آخر تک بھی کسی معمولی کالج یا اسکول کا نشان نہیں ملتا۔ مسجدوں کے صحن، خانقاہوں کے حجرے، علماء کے معمولی مکانات، یہی اس وقت کے مدرسے یا دارالعلوم تھے۔"(۳)

(۳) مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، مرتبہ شبلی نعمانی، مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ، بار دوم۔ ص ۳۲

امام احمد رضا قدس سرہ

بحیثیت

ایک عظیم ماہرِ تعلیم

امام احمد رضا قدس سرہ بحیثیت ایک عظیم ماہرِ تعلیم

امام احمد رضا قدس سرہ جہاد آزادی سے ایک سال قبل ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو مرکز علم و فضل بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کی زندگی کا مختصر خاکہ یہ ہے۔

☆ ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کرلیا۔

☆ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء کو ھدایۃ النحو کی شرح لکھی۔

☆ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء کو اصول فقہ کی بلند مرتبت کتاب مسلم النبوت پر حاشیہ لکھا۔

☆ ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء کو مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم سے فراغت پائی۔ دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر چودہ سال سے بھی کچھ کم تھی۔

☆ ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء کو دارالافتاء بریلی میں مسند افتاء کی ذمہ داری سونپی گئی۔ جس کو آخری دم تک ایسا نبھایا کہ شاید وباید

☆ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء کو مارہرہ مطہرہ میں حاضر ہوکر والد ماجد حضرت مولانا شاہ محمد نقی خاں قدس سرہ کے ہمراہ قدوۃ الاولیاء الکاملین حضرت سید شاہ آل رسول قدس سرہ الطاہر کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اسی وقت جمیع سلاسل طریقت کی اجازت سے مشرف ہوئے۔

☆ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۸ء کو والدین کے ہمراہ پہلا حج کیا۔ اسی دوران حرمین شریفین کے اعاظم علماءِ کرام سے جملہ علوم وفنون کی اجازت حاصل کی۔ حرمین کے علماء نے ضیاء الدین احمد کا عظیم لقب عطا کیا۔ یہ عطیہ ربانی دراصل آپ کے علم و فضل کا اظہار تھا۔

☆ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء کو علمی مرکز فرنگی محل میں نزولِ اجلال فرمایا۔

☆ ۱۵ تا ۱۷ شوال ۱۳۱۱ھ / ۲۲ تا ۲۴ اپریل ۱۸۹۳ء کو ندوۃ العلماء کے جلسہءِ تاسیس میں شرکت فرمائی اور "اصلاحِ نصاب" پر ایک مفید مقالہ پڑھا۔ اس اجلاس میں ملک بھر کے جلیل القدر علماء ماہرینِ تعلیم جمع تھے۔ ان میں مولانا محمد علی مونگیری، مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا احمد حسن کانپوری، علامہ شبلی نعمانی، شیعہ مجتہد غلام کنتوری، مولوی محمد ابراہیم آروی (اہل حدیث) اور مولوی محمد احسن بہاری (غیر مقلد) کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ (۱)

☆ ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء کو بریلی میں ایک عظیم دارالعلوم کی بنیاد رکھی جو منظر اسلام کے نام سے مشہور ہوا۔

☆ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء کو دوسرا حج کیا۔ اسی سفر حج کے دوران علماءِ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ اور عالمِ اسلام سے آئے ہوئے بے شمار فاضل علماءِ کرام نے باصرار امام احمد رضا قدس سرہ سے علوم وفنون اور سلاسلِ طریقت کی اجازتیں حاصل کیں۔ جلیل القدر علماء نے آپ کی وہ عزت افزائی فرمائی کہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہو۔ (۲)

☆ ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء کو تدبیر فلاح ونجات تصنیف فرمائی۔ جس میں مسلمانوں کی ترقی وآزادی کے لئے تجاویز مرتب فرمائیں۔

☆ ۱۳۴۰ھ صفر کی پچیس تاریخ بروز جمعۃ المبارک / ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو بریلی میں وصال فرمایا۔

---

(۱) سالانہ رپورٹ ندوۃ العلماء مطبوعہ کانپور ۱۳۱۲ھ / بحوالہ تذکرہ محدث سورتی، ص ۱۰۶

نوٹ: مطبوعہ رپورٹ میں اس جلسہ کی اہمیت کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔ "وہ جلسہ جو مسلمانوں کے ادبار اور ان کے باہمی نفاق اور مذہبی جھگڑوں کو دور کر سکتا ہے۔ وہ صرف ندوۃ العلماء ہے اور یہ ہندوستان میں اپنی قسم کا پہلا جلسہ ہے۔" ندوہ کی "بے جا رواداری" کی بنا پر امام احمد رضا اور دیگر علماء اہل سنت اس سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ (تذکرہ محدث سورتی۔ ص ۱۰۲)

(۲) سفر حج، علماء کرام کی اجازتیں حاصل کرنا اور خاص حرمین طیبین میں عزت افزائی کی تفصیل ملاحظہ کرنے کے لئے رجوع فرمائیں۔

(i) الملفوظ حصہ دوم　(ii) الاجازت المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینہ
(iii) مقدمہ حسام الحرمین　(iv) فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں، وغیرہ۔

امام احمد رضا قدس سرہ کا خاندان برصغیر میں ایک عظیم علمی شہرت کا حامل رہا ہے۔ آباؤ اجداد کا شمار اپنے دور کے جلیل المرتبت فضلاء میں ہوتا تھا۔ روحانی اور علمی امور میں یہ حضرات مرجع خلائق تھے۔

مشہور بزرگ مؤرخ مولوی عبدالعزیز خاں بریلوی ''اسلامی مدارس وغیرہ'' کے عنوان سے بریلی کی علمی عظمت کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

> ''بریلی میں علومِ اسلامی کے عروج کا زمانہ حافظ الملک کے عہد سے شروع ہوتا ہے جب کہ روہیل کھنڈ میں پانچ ہزار علماء مساجد و مدارس میں درس دیتے ہیں۔ مولوی حیدر علی لکھتے ہیں ''اگرچہ شہر بانس بریلی بمقابلہ دہلی، لکھنؤ، آگرہ قصبہ ہے مگر کبھی یہ قصبہ عالموں، حکیموں، شاعروں، خوش نویسوں اور ہنر مندوں سے خالی نہیں رہا۔'' (۴)

یہی مولوی عبدالعزیز خاں بریلوی خاص امام احمد رضا اور ان کے خاندان کے علمی مقام کو مختصر الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں۔

> ''اس مدرسہ کو ایک مشہور سلسلۂ خاندان سے نسبت ہے جس کے مورث اعلیٰ محمد سعید خاں ...... ان کے لڑکے محمد سعادت علی خاں ...... ان کے لڑکے نقی علی خاں اور ان کے لڑکے احمد رضا خاں، حسن رضا خاں، محمد رضا خاں ...... احمد رضا کے لڑکے حامد رضا خاں و مصطفیٰ رضا خاں صاحبان بہت مشہور ہوئے ...... محمد اعظم خاں نے دہلی سے بریلی سکونت منتقل کی۔ اس خاندان سے دیہات زمینداری

---

(۴)　تاریخ روہیل کھنڈ مع تاریخ بریلی، مولفہ مولوی عبدالعزیز خاں بریلوی، عمران اکیڈمی کراچی ص ۲۵۵

نوٹ:　کتاب مذکور پر مشہور ماہر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے مقدمہ لکھا ہے۔

سے امیرانہ بسر ہوتی رہی۔

مولوی احمد رضا خاں کی شہرت کو چار چاند لگ گئے...... حنفی، سنی، فاضل اجل، کامل اکمل...... سید شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ...... تقریباً (۷۵۰) کتابیں تصنیف کیں...... سفر حجاز میں علمائے عرب نے سند حدیث وفقہ واصول وتفسیر حاصل کی...... مسائل فقہ میں فتاویٰ رضویہ طویل لکھی...... قرآن کریم کا بہترین ترجمہ کیا...... ایک عمر فتاویٰ نویسی میں بسر کی...... تقریر وتحریر کے ذریعے سے پچاس برس خدمتِ دین میں گذارے...... نامِ نامی اعلیٰ حضرت مولانا حاجی شاہ احمد رضا خاں، مجدد مائۃ حاضرہ مشہور ہوا...... تاریخ ولادت ۱۲۷۲ھ التوفی ۱۵ ستمبر ۱۳۴۰ھ...... مدفن، مسکن سے قریب...... معتقدین کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا...... آپ کی جماعت کا نام ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' دو درس گاہیں، ایک سوداگری محلہ میں، دوسری مسجد بی بی صاحبہ جی (بہار پور) دار العلوم کا نام منظر اسلام۔'' (۴)

امام احمد رضا قدس سرہ جن علوم میں مہارت رکھتے تھے ان کی تعداد پچپن سے زائد ہے۔ ان میں سے بعض علوم آپ نے اساتذہ کرام سے حاصل کئے، بعض علوم اساتذہ فن کی کتب سے محض مطالعہ سے حاصل کئے۔ بعض علوم آپ نے ایجاد کئے۔ جن علوم پر آپ کو عبور تام تھا ان میں ریاضی، ہیئت اور طبیعات کے بعض وہ فنون ہیں جن میں آج کے علمی دور میں علماءِ قدیم اور علماءِ جدید دونوں کے کان نا آشنا ہیں۔ (۵)

---

(۴) تاریخ روہیل کھنڈ مع تاریخ بریلی۔ ص ۱۵۲*

نوٹ: جدید تحقیق کے مطابق آپ کی تصانیف تقریباً ایک ہزار ہیں۔ اور وصال ۲۸/اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ہوا۔ فقیر قادری عفی عنہ

(۵) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

(i) الاجازت المتینۃ لعلماء بکہ والمدینہ (ii) فاضل بریلوی علماءِ حجاز کی نظر میں۔

علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر، مشہور ریاضی دان ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد نے پہلی ہی ملاقات کے بعد جو تاثر بیان کیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔

''حقیقت میں یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے۔''(٦)

تعلیم سے فارغ ہوکر امام احمد رضا قدس سرہ نے تدریس کے فرائض سرانجام دیئے، آپ کے اکثر تلامذہ آسمان علم وفضل کے نیر درخشاں بن کر چمکے۔(٧)

---

(٦) اکرام امام احمد رضا۔ تالیف ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔ مطبوعہ مرکزی مجلس رضا، لاہور۔

نوٹ: امام احمد رضا قدس سرہ نے ساری عمر انگریزوں اور ہندو کے خلاف قلمی جہاد میں گذاردی، وہ شمس العلماء یا اس نوعیت کے کسی خطاب کی خواہش کس طرح کرتے؟ اور نہ آپ کے کسی متوسل نے اس کی تحریک کی۔ ورنہ امام احمد رضا، ان کی اولاد، تلامذہ حتی کہ خدام بھی اس پائے کے عالم تھے کہ بے دریغ انہیں شمس العلماء کا خطاب دیا جاسکتا ہے۔
(فقیر قادری عفی عنہ)

(٧) امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات مرجع العلماء تھی۔ دور دور سے طلباء استفادہ کے لئے حاضر ہوتے۔ یہاں تک کہ سہارن پور اور دیوبند کے چند طلباء بھی حدیث وفقہ کے درس کے لئے حاضر ہوئے۔ ملاحظہ ہو۔ چودھویں صدی کے مجدد، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، لاہور، ص ٨٥

فاضل بریلوی کے تلامذہ کی طویل فہرست میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

١۔ مولانا حسن رضا خاں ٢۔ مولانا محمد رضا خاں
٣۔ مولانا حامد رضا خاں ٤۔ مولانا سید اشرف اشرفی
٥۔ مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی ٦۔ مولانا ظفر الدین بہاری
٧۔ مولانا عبد الواحد پیلی بھیتی ٨۔ مولانا حسنین رضا خاں
٩۔ مولانا سلطان احمد ١٠۔ مولانا سید امیر احمد
١١۔ مولانا حافظ یقین الدین ١٢۔ مولانا حافظ عبد الکریم
١٣۔ مولانا سید نور احمد چاٹگامی ١٤۔ مولانا منور حسین
١٥۔ مولانا واعظ الدین ١٦۔ مولانا عبد الرشید
١٧۔ مولانا شاہ غلام محمد بہاری ١٨۔ مولانا حکیم عزیز غوث
١٩۔ مولانا نواب مرزا۔

اپنے دور کے جلیل القدر علماء سے امام احمد رضا قدس سرہ کے گہرے علمی روابط تھے۔ اکثر آپ کے ہاں علمی محافل کا انعقاد ہوتا جس میں یہ علمی ستارے جمع ہوتے۔ ایسا بھی ہوتا ان علماء کے ہاں یا ان کے مدارس کے سالانہ اجلاس میں امام احمد رضا شریک ہوتے۔ علمی مذاکرات ہوتے۔ بعض مدارس میں امام احمد رضا قدس سرہ بطور ممتحن تشریف لے جاتے۔ طلبہ کی علمی استعداد معلوم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مسائل سے براہِ راست واقفیت حاصل کرتے۔ علمی مراکز کے ناظم حضرات آپ سے اکثر علمی امور پر مشورہ لیتے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے زندگی بھر ملازمت نہیں کی، کہ ملازمت کے کچھ ایسے تقاضے ہوتے ہیں جو ملازم کو اپنی مرضی کے خلاف پورے کرنے پڑتے ہیں۔ آزادی کے ساتھ اظہارِ رائے ممکن نہیں ہوتا۔ مگر امام احمد رضا کو جو کچھ کہنا ہوتا بڑے واشگاف الفاظ میں برمحل بیان کر دیتے۔

برصغیر میں ایک ہزار سالہ مسلمانوں کے دورِ اقتدار کا زوال آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ نئے خداوندانِ اقتدار کی تعلیم اور ان کی تہذیب کے پرستاروں کی غیر دانش مندانہ حرکات اور اسلام دشمن کردار، قدیم اقدار سے نفرت اور جدید تہذیب سے محبت .... یہ سب کچھ آپ کے سامنے تھا۔ اس پر آپ کا دل تلملایا، تڑپا۔ مسلمانوں کو نامسلمان بنانے کی مذموم کوششوں کا آپ نے بغور جائزہ لیا۔

اپنے خاندانی علمی پس منظر کے علاوہ امام احمد رضا قدس سرہ کی اپنی زندگی عملی و علمی مسائل اور ان کے حل سے متعلق گزری اور پھر بقول اقبال......

......"وہ بڑی سوچ بچار اور غور فکر کے بعد اپنی رائے قائم کرتے ہیں، اس طرح

انہیں اپنی رائے تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی"..................

دیگر حیثیات کے علاوہ امام احمد رضا قدس سرہ ایک معلم تھے، ایک مفکر تھے، ایک مجدد تھے۔ ہندوستان کے دور آخر میں اتنی ہمہ گیر صفات و جہات کا مالک اور بصیرت تامہ رکھنے والا مفکر بہت کم ہی دیکھنے میں آیا۔ وہ اس طبیب کی طرح قوم کا علاج کرتا رہا جو اصل مرض کی تشخیص کے بعد ہی بنیادی علاج کرتا ہو۔ اس طرح اگرچہ علاج دیر طلب ہوتا ہے مگر موثر اور دیرپا ہوتا ہے۔

ان حیثیات کی موجودگی میں امام احمد رضا قدس سرہ کا کہا ہوا اس قابل ہے کہ "سنا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔"

الارشاد

۱) افہام و تفہیم اور تقریب مفہوم کی غرض سے ہم امام احمد رضا قدس سرہ کے نظریۂ تعلیم کو چند عنوانات کے تحت درج کرتے ہیں۔ عنوانات کا انتخاب ہم نے کیا ہے۔ مختلف عنوانات سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ان عنوانات میں تضاد یا تخالف ہے۔ یہ عنوانات آپ کے نظریۂ تعلیم کو مختلف پہلوؤں سے دیکھنے کی ایک ادنی کوشش ہے۔

۲) امام احمد رضا قدس سرہ نے تعلیم سے متعلق جن نظریات کا اظہار کیا ہے ان میں سے اکثر کو آیات و احادیث یا کلمات علماء سے مؤید کیا ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کا کمال علمی اور پھر بے نفسی ملاحظہ ہو کہ کسی بات کو اپنی طرف منسوب کرنے کی بجائے اکابر علماء کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ حوالہ جات درحقیقت آپ ہی کے پسندیدہ نظریات ہیں۔

☆☆☆

امام احمد رضا قدس سرہ

کا

نظریۂ تعلیم

☆ نظریۂ مرکزیت ☆ نظریۂ افادیت ☆ نظریۂ حکمت
☆ نظریۂ عظمت ☆ نظریۂ حرمت ☆ نظریۂ مہابت
☆ نظریۂ للّٰہیت ☆ جلبِ منفعت ☆ نظریۂ روحانیت
☆ نظریۂ شعر وادب ☆ ابتدائی تعلیم ☆ تعلیمِ نسواں
☆ غیر ملکی امداد ☆ کتاب اور تعلیم ☆ ذریعۂ تعلیم
☆ تعلیم میں غیر متعلقہ امور

نظریہ مرکزیت

تمام علوم کو خواہ وہ علوم قدیمہ ہوں یا علوم جدیدہ۔ ان کا مقصد دین کا فہم حاصل کرنا ہو۔ امام احمد رضا قدس سرہ کے نزدیک تمام علوم کی تعلیم اسی غرض سے ہونی چاہئے۔ قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر سے دین فہمی کا مفہوم تو ظاہر ہے۔ اسی طرح طبعیات اور ارضیات سے پانی اور مٹی کی ماہیت وکیفیت اور احوال معلوم کئے جائیں تا کہ بدن، لباس، جائے سجدہ کی طہارت کے مسائلِ فقہیہ معلوم ہوسکیں۔ علم ریاضی سے فرائض ومیراث اور پانی کی قلت وکثرت کے مسائل کا استخراج ہوسکے۔

علم توقیت کو نماز، روزہ، حج وغیرہ کے اوقات متعین کرنے کے لئے استعمال کیا جائے، علم مناظر ومرایا سے رویت ہلال کا ثبوت کیا جائے۔ علم کیمیا سے اشیاء کی قلب ماہیت وغیرہ کی پہچان کی جائے وغیرہ۔ (۱)

---

(۱) یہاں یہ امر وضاحت کا محتاج نہیں کہ جملہ علوم وفنون اسلامی ودینی ہیں۔ خالقِ علوم اللہ جل مجدہ نے ارشاد فرمایا "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا" (البقرۃ) اور اللہ نے تمام علوم آدم علیہ السلام کو سکھادیئے۔

تمام علوم کی تعلیم جناب خالق باری عز اسمہ کی طرف سے ہوئی، اس لئے تمام علوم وفنون اپنے اصل کے اعتبار سے دینی ہیں۔ بندوں نے اپنے مخصوص اغراض سے بعض علوم کو دنیوی بنادیا ہے، علامہ شبلی نے اپنے مقالہ (جو محمدن ایجوکیشنل کانگرس، لکھنؤ منعقدہ ۲۷ دسمبر ۱۸۸۷ء کے اجلاس میں پڑھا گیا) میں لکھا۔

"تعلیم مذہب کا ایک ضروری جزو بن گئی تھی۔

قرآن وحدیث (جس پر مذہب کی بنیاد تھی) عربی زبان کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں۔ اتنے تعلق سے نحو، صرف، لغت، معانی، اسماء الرجال بھی گویا مذہبی تعلیم کے ضروری اجزا تھے۔ فلسفہ نے علم کلام کی صورت میں مذہبی علم ہونے کی عزت حاصل کی۔ اس سلسلے نے بڑھتے بڑھتے قریباً ہر علم وفن کو اپنے دائرے میں لے لیا تھا۔"

(مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم از پروفیسر شبلی نعمانی، مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ۔ باردوم۔ ص ۴۳)

جملہ علوم دینی واسلامی علوم ہونے کی صراحت کتاب مذکور کے صفحات ۳ تا ۸ میں ہے۔

نظریہ مرکزیت کو سمجھنے کے لئے امام احمد رضا قدس سرہ کی تصنیفات و تالیفات کی ایک ایک سطر شاہد عادل ہے۔ ہم صرف چند اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔

(ا) وَاشْتِغَالِیْ بِالْهَیْاَةِ وَالْهَنْدَسَةِ وَالزِّیْجِ وَاللُّوْغَارِثْمَاتِ وَفُنُوْنِ الرِّیَاضِیِّ لَیْسَ لِیَکُوْنَ فِیْهِ اِرْتِیَاضِیٌّ بَلْ اِنَّمَا التَّوَجُّهُ تَرْوِیْحًا لِلْقَلْبِ عَلٰی جِهَةِ التَّفَکُّهِ نَعَمْ رُبَمَا اَقْصُدُهَا لِعِلْمِ التَّوْقِیْتِ وَ تَحْدِیْدِ الْاَوْقَاتِ نَفْعًا لِلْمُسْلِمِیْنَ فِی الصَّوْمِ وَالصَّلٰوٰتِ "(۲)

علم ہیأت، ہندسہ، زیج، لوگارثمات اور فنونِ ریاضی میں میری مشغولیت حصولِ مہارت کے لئے نہیں ہوتی بلکہ محض تفریحِ طبع کے طور پر ہوا کرتی ہے، ہاں بعض دفعہ روزہ اور نماز کے اوقات کی تحدید کے لئے اور مسلمانوں کے فائدہ کی خاطر نظام الاوقات مرتب کرنے کے لئے فنون مذکورہ کی جانب بالقصد متوجہ ہوتا ہوں۔

(ب) بعض علومِ عقلیہ، ریاضی، کیمیا اور طبعیات میں امام احمد رضا قدس سرہ کی مہارتِ تامہ مرتبہ ایجاد تک پہنچی ہوئی تھی۔ آپ کی بعض تصانیف کا سمجھنا آج تک کے سائنس دانوں اور ماہرین ریاضی کے بس میں نہیں ہوسکا۔ تاہم اتنے بلند مرتبہ علوم کی تحصیل و تعلیم سے امام احمد رضا قدس سرہ نے دین فہمی کی خدمت لی۔ مسائل تیمم میں جنس ارض ایک بنیاد ہے۔ جنس ارض کی تحدید، تعریف، اور تعین کے لئے کیمیا اور طبعیات سے خدمت لی۔ (اور اس سلسلہ میں یہ رسالہ تصنیف فرمایا)۔

اَلْمَطَرُ السَّعِیْدُ عَلٰی نَبْتِ جِنْسِ الصَّعِیْدِ (۳)

---

(۲) الاجازات المتینۃ لعلماء بکہ والمدینۃ، مشمولہ رسائل رضویہ جلد دوم، مکتبہ حامدیہ لاہور، بار اول ۱۹۷۶ء

(۳) فتاوی رضویہ جلد اول۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۲۶۸۔۔۔۔ ۱۹۷۲ء

مسائل وضو و غسل میں حوض کا تذکرہ کتب فقہ میں اکثر آتا ہے۔حوض جس سے طہارت کرنا جائز ہے،اس کا ''دہ دردہ'' ہونا ضروری ہے۔''دہ دردہ'' اور ذراع (گز) سے متعلق تحقیقات ریاضی پر مشتمل درج ذیل رسالہ نہایت اہم ہے۔

اَلْهَنِیْءُ الْمُنِیْرُ فِی الْمَاءِ الْمُسْتَدِیْرِ (۴)

مسائل طہارت میں ''پانی جاری'' ایک خالص فقہی اصلاح ہے،اس کے متعلق طبعی علوم پر مشتمل ایک تحقیقی مقالہ نہایت اہم ہے۔

اَلدِّقَّةُ وَالْبِیَانُ لِعِلْمِ الرِّقَّةِ وَالسَّیَلَانِ (۵)

مندرجہ ذیل طبعی و کیمیائی ابحاث سے امام احمد رضا نے مسائل تیمّم اور جنس ارض کی تحدید کی خدمت لی ہے۔

(۱) پتھر کس طرح بنتا ہے۔

(۲) ضعیف الترکیب جسم منطبع بالنار نہیں ہوسکتا۔

(۳) پارہ آگ پر کیوں نہیں ٹھہرتا۔

(۴) آگ جسم میں کیا اثرات پیدا کرتی ہے۔

(۵) سونے چاندی کے پگھلنے کا کیا سبب ہے۔

(۶) جملہ معدنیات کا تکوّن گندھک اور پارہ کے ازدواج سے ہے۔

(۷) کبریت نر ہے اور پارہ مادہ۔انہیں کے اختلاف مقادیر و اصناف و اوصاف و احوال سے مختلف معدنی چیزیں بنتی ہیں۔(۶)

---

(۴) فتاویٰ رضویہ جلد اول،مطبوعہ لاہور۔ص ۳۲۱......۳۳۰　(۵) ایضاً ص ۴۸۴......۴۹۹

(۶) ایضاً ص ۴۹۰

(ج) علوم طبعیات، کیمیا اور ریاضی کی بے مثال تحقیقات سے تیمّم کے لئے جنسِ ارض کی تحدید اور جنسِ ارض کے انواع کا شمار فرمایا۔ جنس ارض کی کل تین سو گیارہ انواع کا شمار کیا......ان میں سے ایک سو اکاسی (۱۸۱) اشیاء سے تیمّم کا جواز بتایا۔ جن میں چوہتر منصوص علماء ہیں اور ایک سو سات زیاداتِ امام احمد رضا قدس سرہ ہیں......ایک سو تیس اشیاء سے تیمّم ناجائز بتایا۔ ان میں اٹھاون منصوص ہیں اور بہتر زیاداتِ امام احمد رضا قدس سرہ ہیں۔ ایسا تحقیقی بیان اس تحریر کے سوا کہیں دیکھنے اور سننے میں نہ آیا۔ طبعیات، کیمیا اور ریاضی کی تحقیقات کو دین فہمی کے مرکوز کر دینے والی اس عمدہ تحریر کا نام حَسَنُ التَّعَمُّمِ لِبیَانِ حَدِّالتَّیَمُّمِ ہے۔ (۷)

(د) نماز، روزہ کے اوقات کے تعین کرنے کے طریقے علم توقیت سے ہی ممکن ہیں۔ علم توقیت جانے بغیر کوئی شخص ان اوقات کی تحدید و تمیز نہیں کر سکتا۔ حالانکہ خود نماز، روزے کی طرح ان کے اوقات کا پہچاننا بھی فرض ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ اپنے عہد میں علم توقیت کے تا بحدِ ایجاد ماہر تھے۔ اس علم سے تحدیدِ اوقات کا فریضہ کس خوبی سے انجام دیا اس کو ملاحظہ کرنے کے لئے...... فتاویٰ رضویہ جلد دوم فتاویٰ نمبر ۲۶۹......۲۷۱......۲۷۴......۲۷۷......۲۸۳ (۸) کے درج ذیل فتاویٰ دیکھے جا سکتے ہیں۔

(ہ) ریاضی ایک مشکل علم ہے۔ علماء میں سے اکثریت اس سے ناواقف ہوتی ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کی ریاضی دانی کا اعتراف علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر، سر ضیاء الدین احمد نے بھی کیا۔ جو بذات خود اپنے دور کے ریاضی کے سر برآوردہ ماہرین میں سے تھے۔ (۹)

(۷) فتاویٰ رضویہ جلد اول۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۵۸۶......۷۲۴۔

(۸) فتاویٰ رضویہ جلد دوم مطبوعہ لائل پور ص ۲۰۲......۳۳۰

(۹) حیات اعلیٰ حضرت۔ از مولانا ظفر الدین بہاری۔ مطبوعہ کراچی۔ ص ۱۵۰......۱۵۳

ریاضی اور دین فہمی...... بظاہر کوئی ربط نظر نہیں آتا، مگر امام احمد رضا قدس سرہ نے ریاضی کو بھی دین فہمی کے لئے خادم بنا دیا۔ جہت قبلہ معلوم کرنے، مستطیل اور مدور شکل میں حوض کی پیمائش وغیرہ مسائل دینیہ میں ریاضی کام آتی ہے...... قطر، محیط، اور مساحت میں نسبت...... قوس، محیط، قطر، دائرہ، میں نسبت اور برصغیر میں جہت قبلہ کا تعین............ یہ وہ مسائل ہیں جن میں ریاضی سے خدمت لی۔ ملاحظہ ہو۔

"هِدَايَةُ الْمُتَعَالِ فِيْ حَدِّ الْاِسْتِقْبَالِ ۱۳۲۴ھ"(۱۰)

(و) گذشتہ سطور میں گذر چکا ہے کہ تمام علوم کی تعلیم خدا تعالیٰ نے فرمائی ہے اس اعتبار سے تمام علوم دینی و اسلامی ہیں، انسانی اغراض و مقاصد نے ان کو دینی و دنیوی خانوں میں تقسیم کر دیا ہے...... امام احمد رضا قدس سرہ اس امر کے معترف اور قائل ہیں کہ دنیا کے تمام علوم سے اگر دین فہمی کی خدمت لی جائے تو ان کی تعلیم درست و روا ہے اگر انہیں اغراضِ نفسانیکے لئے تعلیم کیا جائے تو ان کا حکم اغراضِ نفسانی کے حسن و قبح کے تابع ہوگا۔(۱۱)

امام احمد رضا قدس سرہ کے نزدیک وہ کونسا علم ہے جس کو دین فہمی کے لئے خادم نہ بنایا جاسکتا ہو۔ خود فرماتے ہیں۔

"اسی طرح بہت سے اجزائے حکمت مثلاً ریاضی...... ہندسہ...... وحساب...... وجبر...... ومقابلہ...... وارثما طیقی...... وسیاحت......

---

(۱۰) (i) فتاویٰ رضویہ جلد سوم، مطبوعہ اعظم گڑھ۔ ص ۱۱......۱۴، ۱۵......۴۱

(ii) فتاویٰ رضویہ جلد اول۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۳۲۱......۳۳۰

(۱۱) یہ الگ بات ہے کہ مختلف الانواع علوم سے دینی خدمت کس طرح لی جاسکے۔ اس کے لئے ان علوم میں مہارت تامہ اور فقہی جزئیات پر اطلاع عام ہو۔ ایسوں کے لئے امام احمد رضا قدس سرہ کا وجود ایک مثال ہے۔

ومرایا......ومناظر......وجرثقیل......وعلم مثلث کروی......
ومثلث سطح......وسیاست مدن......وتدبیر منزل......ومکائد
حروب......وفراست......وطب......وتشریح......وبیطرہ......وبیزرہ
......وعلم زیجات......واسطرلاب......وآلات رصدیہ......ومواقیت
......ومعاون......ونباتات......وحیوانات......وکائنات الجو......
وجغرافیہ، وغیرہا بھی شریعت مطہرہ سے مضادت نہیں رکھتے۔ بلکہ ان میں بعض بلاواسطہ اور بعض بالواسطہ امور دینیہ میں نافع ومعین اور بعض دیگر دنیا میں بکار آمد ہیں۔ اگرچہ مقاصدِ اصلیہ کے سوا حاجت سے زیادہ کسی شے میں توغل فضول وبے ہودگی ہے۔

وَمِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَایَعْنِیْهِ

خصوصاً علم طب کا مفید ومحمود ومحتاج الیہ ہونا تو ظاہر۔ یونہی فرائض کے لئے ضروری حساب اور ہمیں معرفتِ صحیحہ اوقات طلوع فجر کاذب وصادق وشمس وضحوہ کبریٰ واستواء وظل ثانی، غایۃ الارتفاع ومثل اول وثانی وغروب شمس وشفق احمر وابیض کہ نماز وسحری وافطار وغیرہا امور دینیہ ومسائل شرعیہ میں ان کی سخت حاجت، عامہ کو بروجہ تحقیق بقدرِ قدرتِ بشری بے علم زیجات یا آلات رصدیہ نامتصور۔ ان کی ناواقفی سے بہت سے لوگ غلطیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔"(۱۲)

اس وضاحت وصراحت کی موجودگی میں کون سا علم ایسا ہے جس سے خدمتِ دین نہیں لی جاسکتی یا انسان کی حاجاتِ اصلیہ حقیقیہ میں مفید نہیں؟؟ نہ معلوم کہ علوم کی دینی و

(۱۲) فتاویٰ رضویہ۔ جلد دہم مطبوعہ بیسلپور ضلع پیلی بھیت۔ ص ۸۱۔۔۔۔۸۳

دنیوی خانوں میں تقسیم کب ہوئی؟ ہاں اس کا ایک نتیجہ ضرور نکلا کہ وہ علوم جن کی تعلیم میں دین فہمی کی خدمت نہ لی جائے وہ یقیناً اس قابل ہیں کہ ان کی تعلیم سے منع کیا جائے، وہ علوم باعثِ تضیع اوقات ہیں۔ مسلمان جب تک علوم کو ان اغراض صحیحہ کے لئے حاصل کرتے رہے، دنیا وآخرت میں سرخرو رہے۔ (۱۳)

اور جب مسلمانوں نے اپنی تعلیم میں ان اغراضِ صحیحہ اور مقاصدِ حقیقیہ کو خارج کر دیا ہے تب سے پستی میں ہیں، اگرچہ جملہ علوم وفنون کی تعلیم عام ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کے نزدیک مسلمانوں کا احترام ووقار تعلیم میں ان اغراضِ صحیحہ کو نصب العین بنانے کی بنا پر تھا۔ علم دین کی اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

"سب سے زیادہ اہم، سب کی جان، سب کی اصل اعظم وہ دینِ متین تھا جس کی رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارجِ عالیہ پر پہنچایا، چار دانگِ عالم میں ان کی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نان شبینہ کے محتاجوں کو بلند تاجوں کا مالک بنایا اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہ ذلت میں گرایا۔ فَاِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّااِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ" (۱۴)

دینی اور دنیوی تعلیم کی تقسیم کی موجودگی میں یہ تصور کتنا بعید معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی علوم کی تحصیل اگر حسنِ نیت کے ساتھ اور مقاصدِ صحیحہ کے لئے کرو گے وہی دینی تعلیم بن جائے گی، حسنِ نیت سے بے شمار احکام بدل جاتے ہیں۔ اچھا بھلا کام نیت بدلنے سے نامسعود بن جاتا ہے۔

لِکُلِّ امْرِئٍ مَّانَوٰی ...... اور ...... اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

احادیث کا شانِ ورود یہی سبق دیتا ہے۔

---

(۱۳) آج کے محاورہ میں یوں کہہ لیجئے کہ جب تک مسلمان مذہبی تعلیم حاصل کرتے رہے کامیاب وکامران رہے۔
فقیر قادری عفی عنہ

اب ذرا دوسرے پہلو سے دیکھیں، عامۃ الناس کے ذہن کی سطح پر اُتر کر امام احمد رضا قدس سرہ نے مسلمانوں کی ترقی کے لئے ہدایت فرمائی۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء کو تدبیرِ فلاح ونجات واصلاحِ کتاب میں چار نکاتی پروگرام پیش کیا، جس میں مسلمانوں کو ہدایت کی۔

''علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔'' (۱۵)

۱۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۹ھ/ ۲۰ جنوری ۱۹۲۱ء امام احمد رضا قدس سرہ کے وصال سے چند ماہ پیشتر مسجد بی بی جی، بریلی میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ شدید علالت کی بنا پر خود امام احمد رضا قدس سرہ اس میں شریک نہ ہوسکے، لیکن آپ نے ایک پیغام بھیجا جو وہاں پڑھ کر سنایا گیا۔ اس میں بھی آپ نے تدبیر فلاح ونجات واصلاح کی تجاویز کا اعادہ فرمایا۔

''آٹھ برس ہوئے جب اس جنگ کا نام وگمان بھی نہ تھا، فقیر نے فلاح مسلمین کے لئے چار تدبیریں شائع کی تھیں۔ امید ہے کہ ان پر غور فرما کر ان کے اجراء میں سعی کریں گے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوفِیْقُ. وَالسَّلَامُ'' (۱۶)

---

(۱۴) مکتوب امام احمد رضا بنام الحاج لعل خاں، کلکتہ، محررہ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ۔ مندرجہ حیات صدر الافاضل از مولانا سید غلام معین الدین نعیمی۔ مطبوعہ لاہور۔ بار دوم ص ۱۵۹

(۱۵) (ا) اخبار دبدبہ سکندری، رامپور جلد ۴۹، نمبر ۱۷۔ ۱۳۳۱ھ۔

(ب) السواد الاعظم، مراد آباد، جلد ۲، نمبر ۱۔ ۱۳۳۹ھ

(ج) حیات صدر الافاضل مطبوعہ لاہور۔ ص ۱۵۵

(۱۶) دوامغ الحمیر مطبوعہ بریلی بار اول (۱۳۴۰ھ) ص ۲۷

نوٹ: تدبیر فلاح ونجات واصلاح کی چاروں تجاویز کی بنا پر پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی نے ایک تحقیقی مقالہ ''فاضل بریلوی کے معاشی نکات'' لکھا جس میں پروفیسر موصوف نے جدید معاشیات کے میدان میں امام احمد رضا کی اولیت واولویت ثابت کی ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے نزدیک تمام اصناف علوم کی تعلیم کا مقصد و مدعا دین فہمی اور اللہ جل وعلا ورسول ﷺ کے راستہ پر چلنا ہے۔ تعلیم اگر خدارسی اور رسول شناسی میں معاون نہیں تو بے کار محض اور تضیع اوقات ہے۔

ہمارے جامعات اورکلیات کے نصاب میں یہ کتنی زبردست کمی ہے۔ غیروں کی تقلید میں ہم نے علوم جدیدہ کی تعلیم کا انتظام تو کر دیا ہے مگر ان کی تعلیم میں سرے سے اللہ فاعل ومختار کا ذکر ہی غائب کر دیا ہے۔ اس طرح تعلیم دی جاتی ہے کہ طالب علم یہی سمجھ بیٹھتا ہے کہ فلاں فلاں اشیاء سے فلاں مرکب بنتا ہے۔ فلاں شے کی تحلیل کی جائے تو یہ یہ اجزاء ملیں گے۔

" There is a nature "

کے تصورات نے ہماری تعلیم سے خدا کا تصور غائب کر دیا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ان سائنسی علوم کی تحصیل کے بعد نوجوان خدا سے بے گانہ اور دین سے بے بہرہ رہتا ہے۔ اس کی کاوش صرف ماہیت اشیاء معلوم کرنے تک رہتی ہے۔ خالق ماہیت سے وہ عاری رہتا ہے۔ علوم جدیدہ ہوں یا قدیمہ، ان میں اگر نیچر کی جگہ اللہ جل مجدہٗ کے تصور کا اضافہ کر دیا جائے تو طلبہ کے فکر ونظر میں حیرت انگیز انقلاب آسکتا ہے۔

نظریۂ افادیت

علوم اپنے انواع واقسام کی کثرت کے باعث اس قدر ہیں کہ عام آدمی، جس کی زندگی قلیل ہے، تمام علوم کو حاصل نہیں کرسکتا۔ اس لئے ضروری ہے وہ مفید علوم کی تحصیل کرے۔ اگر وقت ساتھ دے تو دوسرے علوم واقفیت کی غرض سے پڑھ سکتا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے نزدیک نصاب میں وہ علوم شامل کئے جائیں جو دین ودنیا میں ''مفید'' ہوں، دین فہمی میں معین ومعاون ہوں۔ ان کے نزدیک معیارِ افادیت یہی ہے۔ حضور نبی اکرم معلم اعظم ﷺ نے فرمایا۔

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ لَایَنْفَعُ (۱) میں ایسے علم سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے نزدیک وہ علوم جو صرف دنیوی مقاصد میں مفید ہوں ان کی تعلیم بھی جائز ہے، بشرطیکہ وہ غیر شرعی تصورات سے منزہ ہوں۔ اس سلسلہ میں علوم قدیمہ یا جدیدہ کی کوئی تمیز نہیں۔ جواز وعدم جواز کا معیار وہی افادیت ہے۔ بعض ماہرین تعلیم نے علوم کو محمود اور مردود علوم میں تقسیم کیا ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ علوم فی نفسہا محمود ہیں مگر ان کا ''تعلق'' انہیں محمود ومردود میں تقسیم کردیتا ہے۔ جیسا کہ دولت کہ فی نفسہا ''خیر'' ہے مگر اس کا ''تعلق'' اسے خیر اور شر میں تقسیم کردیتا ہے مگر معیار افادیت تو شرع مطہر ہے۔ (۲)

---

(۱) رواہ ابن ماجہ عن جابر ﷺ

(۲) امام غزالی فرماتے ہیں۔

''مفید علوم وہ ہیں جن سے دنیا کی حقارت اور عقبیٰ کی عظمت کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اور جن سے آدمی آخرت کے منکروں اور دنیاداروں کی نادانی اور حماقت کو جانتا ہے۔ اور کبر، ریا، حسد، عجب، حرص، حبِ دنیا کی آفت اور ان کا علاج پہچانتا ہے۔ یہ علم دنیا کے لالچی کے حق میں بھی ایسا ہی ہے جیسے پیاسے کے حق میں پانی اور بیمار کے حق میں دوا۔'' (اکسیر ہدایت اردو ترجمہ کیمیائے سعادت، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ (۱۸۹۰ء) ص ۶۵)

امام احمد رضا قدس سرہ نے علوم نافعہ اور مفیدہ کے لئے ایک معیار مقرر فرمایا۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا۔

"علم نافع وہ جس کے ساتھ فقاہت ہو" (۳)

فقاہت وہ دولت عظمیٰ ہے جسے خداوند کریم نے خیر کثیر فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے۔

مَنْ يُّؤْتَى الْحِكْمَةَ فَقَدْاُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا......الآية (۴)

جسے دین کی سمجھ دی گئی اسے خیر کثیر عطا ہوئی۔

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے فقاہت کو معیار افادیت و نافعیت مقرر فرما کر سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ جتنا اس کو کھولیں گے اتنی ہی اس کی صداقت بڑھتی رہے گی۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے نظریۂ افادیت کو سمجھنے کے لئے آپ کی درج ذیل نگارشات ملاحظہ فرمائیں۔

(ا) کسی نے سوال کیا حدیث "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ" میں کون سا علم مراد ہے۔ تمام علوم مراد ہیں یا مخصوص علوم؟............اس استفتاء کے جواب میں چند اقتباسات آپ بھی پڑھیں۔

"فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ قرآن و حدیث سے صدہا دلائل اس معنی پر قائم کر سکتا ہے کہ مصداق فضائل (علم) صرف علوم دینیہ ہیں و بس۔ ان کے سوا کوئی علم شرع کے نزدیک علم نہ آیات و احادیث میں مراد، اگرچہ عرف ناس

---

(۳) الملفوظ، مولفہ مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، جلد اول۔ مطبوعہ کراچی۔ ص ۱۷

(۴) سورۃ بقرہ رکوع ۵ پارہ ۳

میں یا باعتبارِ لغت اسے علم کہا کریں۔ ہاں آلات و وسائل کے لئے حکم مقصود کا ہوتا ہے۔ مگر اسی وقت تک کہ وہ بقدرِ توسل و بقصد توسل سیکھے جائیں۔ اس طور پر وہ بھی مورِد فضائل ہیں، جیسے نماز کے لئے گھر سے جانے والوں کو حدیث میں فرمایا کہ وہ نماز میں ہیں جب تک نماز کا انتظار کریں۔ نہ یہ کہ انہیں مقصود قرار دے لیں اور ان کے توغل میں عمر گذار دیں۔

نحوی، لغوی، ادیب، منطقی، کہ انہیں علوم کا ہو رہے اور مقصد اصلی سے کام نہ رکھے، زنہار عالم نہیں۔ کہ جس حیثیت کے صدقہ میں انہیں نام و مقام علم حاصل ہوتا، جب وہ نہیں! تو یہ اپنی حد ذات میں نہ ان خوبیوں کے مصداق تھے نہ قیامت تک ہوں۔ ہاں اسے کہیں گے کہ ایک صنعت جانتا ہے جیسے آہنگر و نجار۔ اور فلسفی کے لئے یہ مثال بھی ٹھیک نہیں!! کہ لوہار، بڑھئی کو ان کا فن دنیا میں ضرر نہیں پہنچاتا اور فلسفہ تو حرام مضر اسلام ہے۔ اس میں منہمک رہنے والا لقب اجہل، جاہل اجہل بلکہ اس سے زائد کا مستحق ہے ''وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ. هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ اسے علم سے کیا مناسبت؟؟ علم وہ ہے جو مصطفیٰ ا کا ترکہ ہے نہ وہ جو کفار یونان کا پس خوردہ۔...... اسی طرح وہ ہیئت جس میں انکار وجود آسمان و تکذیب گردش سیارات وغیرہ کفریات و امور مخالفہ شرع تعلیم کئے جائیں وہ بھی مثل نجوم حرام و ملوم اور ضرورت سے زائد حساب یا جغرافیہ وغیر ہما داخل فضولیات ہیں۔

نبی ﷺ فرماتے ہیں۔ ''علم تین ہیں قرآن یا حدیث وہ چیز وجوب عمل میں ان کی ہمسر ہے (گویا اجماع وقیاس کی طرف اشارہ ہے) اور ان کے سوا جو کچھ ہے سب فضول''

اَخْرَجَ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالْحَاکِمُ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِوابْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا. قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعِلْمُ ثَلٰثَۃٌ اٰیَۃٌ مُّحْکَمَۃٌ اَوْسُنَّۃٌ قَائِمَۃٌ اَوْفَرِیْضَۃٌ عَادِلَۃٌ وَمَاکَانَ سِوَا ذٰلِکَ فَھُوَ فَضْلٌ

اشعہ میں ہے..........

ہرچہ قال اللہ نے قال الرسول
فضلہ باشد فضلہ می خواں اے فضول(۵)

اسی حدیث کا پورا خلاصہ ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کُلُّ الْعُلُوْمِ سِوَی الْقُرْاٰنِ مَشْغَلَۃٌ اِلَّاالْحَدِیْثُ وَاِلَّاالْفِقْہُ فِی الدِّیْنِ (۶)

(ب) منطق، فلسفہ اور دیگر علوم قدیمہ کی تعلیم کے جواز و عدم جواز کی بحث کے دوران امام احمد رضا قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں۔

نفس منطق کہ ایک علمِ آلی و خادمِ علم اعلی الاعالی ہے۔ اس کے اصل مسائل یعنی مباحث خمس و قول شارح و تقاسیم قضایا و تناقض و عکوس و صناعات خمس کے تعلم میں اصلا کوئی حرج شرعی نہیں، نہ یہ مسائل شرع مطہر سے کچھ مخالفت رکھیں۔ بیان کرنے والے دائمہ کی مثال میں ''کُلُّ شَیْءٍ مَعْلُوْمٌ لِلّٰہِ تَعَالٰی دَائِمًا'' کی جگہ ''کُلُّ فَلَکٍ مُتَحَرِّکٌ دَائِمًا'' لکھیں تو یہ ان کی تقصیر ہے، منطق کا قصور نہیں۔

ائمہ مؤیدین بنور اللہ المبین اپنی سلامت فطرت عالیہ کے باعث اس کی عبارات اور اصطلاحات سے مستغنی تھے، تو ان کے غیر بیشک ان قواعد کی حاجت رکھتے ہیں۔ جیسے

(۵) قال اللہ وقال الرسول کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب فضلہ ہے، اے فضولی تو فضول علم پڑھ رہا ہے۔
(۶) قرآن، حدیث اور فقہ فی الدین کے سوا تمام علوم ایک بے کار مشغلہ ہیں۔

صحابۂ کرام ﷺ کو نحو وصرف ومعانی بیان وغیرہا علوم کی احتیاج نہ تھی کہ یہ ان کے اصل سلیقہ میں مرتکز تھے، اس سے ان کے غیر کا افتقار منفی نہیں ہوتا لہٰذا امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی نے فرمایا۔

مَنْ لَّمْ يَعْرِفِ الْمَنْطِقَ فَلَاثِقَةَ لَهُ فِي الْعُلُوْمِ اَصْلًا (۷)

بہت ائمہ کرام نے اس سے اشتغال رکھا بلکہ اس میں تصانیف فرمائیں بلکہ اسفار دینیہ مثل کتب اصول فقہ واصول دین کا مقدمہ بنایا۔ ردالمحتار میں ہے۔

"اَمَّامَنْطِقُ الاسْلَامِيِّيْنَ الَّذِىْ مُقَدَّمَاتُهُ قَوَاعِدُاِسْلَامِيَّةٍ فَلَاوَجْهَ لِلْقَوْلِ بِحُرْمَتِهٖ بَلْ سَمَّاهُ الْغَزَالِىُ مِعْيَارَالْعُلُوْمِ وَقَدْاَلَّفَ فِيْهِ عُلَمَاءُ الْاِسْلَامِ وَمِنْهُمُ الْمُحَقِّقُ ابْنُ الْهُمَّامِ فَاِنَّهٗ اَتٰى مِنْهُ بِبَيَانِ مُعْظَّمِ مَطَالِبِهٖ فِىْ مُقَدَّمَةِ كِتَابِهِ التَّحْرِيْرُ الْاُصُوْلِىُّ" (۸)

ہاں علم آلی سے بقدر آلیت اشتغال چاہئے، اس میں منہمک ہو جانے والا سفیہ جاہل اور مقاصدِ اصلیہ سے محروم وغافل ہے۔" (۹)

(ج) بعض علماء نے منطق فلسفہ وغیرہ علوم عقلیہ کی تعلیم سے منع فرمایا ہے۔ خود امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی بعض مقامات پر اس کی تصریح کی ہے، آپ کی درج ذیل عبارت.........

"فلسفہ تو حرام ومضر اسلام ہے اس میں منہمک رہنے والا لقب اجہل، جاہل اجہل

---

(۷) ترجمہ۔ جو منطق نہیں جانتا اسے علوم میں پختگی حاصل نہیں ہوتی۔

(۸) ترجمہ۔ مسلمانوں کی منطق کہ جس کے مقدمات قواعد شرعیہ ہیں، اس کی حرمت کے قول کا کوئی جواز نہیں۔ بلکہ امام غزالی نے اسے معیار العلوم کہا ہے۔ علماء اسلام نے اس فن میں تصانیف کی ہیں، انہی میں [illegible] انہوں نے اپنی کتاب التحریر الاصولی کے مقدمہ میں اس فن کے عظیم مباحث کو بیان کیا ہے۔

(۹) فتاویٰ رضویہ جلد دہم، مطبوعہ بیسلپور ضلع پیلی بھیت (بھارت) ص ۸۱

بلکہ اس سے زائد کا مستحق ہے۔" (۱۰)

......گذشتہ مباحث میں گذر چکی ہے۔ بادی النظر میں اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ بعض علوم کی تعلیم ناروا ہے۔ حالانکہ بعض عبارات ائمہ کرام اور خود امام احمد رضا قدس سرہ سے یہ روشن ہے کہ فلسفہ و منطق کی تعلیم نہ صرف جائز ہے بلکہ یہ علوم بقیہ علوم کے لئے بمنزلہ معیار العلوم ہیں۔ اس عقدہ کو امام احمد رضا قدس سرہ نے نفیس بحث کے بعد حل کیا ہے۔

مولوی کریم رضا نے گنج گیا (انڈیا) سے ۳۰ شوال ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۲ء کو دو سوالات پر مشتمل ایک استفتاء امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمت میں پیش کیا۔ استفتاء کے سوالات کا خلاصہ یہ ہے۔

۱ حضرت ملا نظام الدین نے جو نصاب مقرر کیا تھا (۱۱) (جسے آج تک درس نظامی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔) اس میں دینی علوم کے علاوہ علوم عقلی مثل فلسفہ و منطق و حکمت و ریاضی وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے، زید ان علوم عقلیہ کی تعلیم سے منع کرتا ہے۔ زید کا ایسا کرنا کہنا از روئے شرع کیسا ہے؟

۲۔ زید نے اپنے شاگرد عمرو سے بوقت درس حدیث عہد لیا تھا کہ تم کبھی فن معقول نہ

---

(۱۰) فتاویٰ رضویہ جلد دہم، مطبوعہ بیسلپور ضلع پیلی بھیت (بھارت) ص ۱۷

(۱۱) مولوی ابوالحسنات ندوی سابق رفیق دارالمصنفین نے درس نظامی کی خوبیوں کو یوں بیان کیا ہے۔

"اس نصاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ طالب علموں میں امعانِ نظر اور قوتِ مطالعہ پیدا کرنے کا اس میں بہت لحاظ رکھا گیا ہے اور جس کسی نے تحقیق سے پڑھا ہو تو گو اس کو معاً بعد ختم تعلیم کسی مخصوص فن میں کمال حاصل نہیں ہو جاتا۔ لیکن یہ صلاحیت ضرور پیدا ہو جاتی ہے کہ آئندہ محض اپنی محنت سے جس فن میں چاہے اچھی طرح کمال پیدا کرے۔..........اسی طرزِ تعلیم کا نتیجہ ملا کمال الدین، بحر العلوم اور حمد اللہ جیسے علماء جید تھے۔"

(ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، از ابوالحسنات ندوی، مطبع معارف دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ ص ۱۰۳)

پڑھانا۔ طلباء میں مہارت وثقاہت پیدا کرنے کے لئے عمرو اب اپنے شاگردوں کو معقولات کی تعلیم دے سکتا ہے یا نہیں؟

استفتاء کے پہلے حصے کے جواب کا ایک حصہ مرکزیت کے عنوان میں آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ خلاصہ بحث اول میں جو کچھ فرمایا، وہ حفظ کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں۔

"غور کیجئے کتنا تفاوت احکام ہو گیا اور تعلیقات میں تو ہزار ہا صورتیں نکلیں گی جن کا حکم بے ان علوم کے ہرگز نہ کھلے گا اور فقیہ کو ان کی طرف رجوع سے چارہ نہ ملے گا۔ كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى مَنْ لَّهٗ اَدْنٰى حَظٍّ مِّنْهَا تو مطلقاً علوم عقلیہ کے تعلیم و تعلم کو ناجائز بتانا یہاں تک کہ بعض مسائل صحیحہ مفیدہ عقلیہ پر اشتمال کے باعث توضیح وتلویح جیسی کتب جلیلہ عظیمہ دینیہ کے پڑھانے سے منع کرنا، سخت جہالت شدیدہ وسفاہت بعیدہ ہے۔ ہاں اکثر طبعیات وعامہ الہیاتِ فلاسفہ مخذولین صدہا کفر صریح وشرک جلی پر مشتمل، مثلاً زمان وحرکتِ افلاک وہیولی وصورتِ جرمیہ ونوعیہ وسفسطات وانواع موالید ونفوس کا قدم اور خالقیتِ عقولِ مفارقہ وانکارِ فاعل مختار وعلمِ جزئیات وحشرِ اجساد وجنت ونار واحالہ خرق افلاک واعادۂ معدوم وصدور کثیر عن الواحد وغیر ہا اور ان کے سوا اور اجزاء وفروع فلسفہ بھی کفریاتِ صریحہ ومحرماتِ قبیحہ سے مملو ہیں۔ مثلاً علم طلسمات ونیر نجات وجزء التاثیر من علم النجوم واحکام زائچہ عالم وزائچہ موالید وتسیرات و فردارات وسیمیا وغیرہا یہ تو درس میں داخل نہیں۔ طبعیات والہیات

پڑھائے جاتے ہیں۔

فَاَقُوْلُ وَبِاللهِ التَّوْفِیْقُ اِنْصَافًا۔ ان کی تعلیم زہر مہلک و نار محرق ہے۔ مگر بچند شروط

اولاً انہماک فلسفیات و توغل مزخرفات نے معلم کے نور قلب کو منطفی اور سلامت عقل کو منتفی نہ کر دیا ہو۔ کہ ایسے شخص پر خود ان علوم ملعونہ سے یک لخت دامن کشی فرض اور اس کی تعلیم سے ضرر اشد کی توقع۔

ثانیاً وہ عقائد حقہ اسلامیہ سنیہ سے بروجہ کمال واقف و ماہر اور اثباتِ حق وازہاق باطل پر بعونہٖ تعالیٰ قادر ہو۔ ورنہ قلوبِ طلبہ کا تحفظ نہ کر سکے گا۔

ثالثاً وہ اپنی اس قدرت کو بالتزام تام ہر سبق کے ایسے محل و مقام پر استعمال بھی کرتا ہو، ہرگز کسی مسئلہ باطلہ پر آگے نہ چلنے دے۔ جب تک اوس کا بطلان متعلم کے ذہن نشین نہ کر دے۔ غرض اس کی تعلیم کا رنگ وہ ہو جو حضرت بحر العلوم قدس سرہ الشریف کی تصانیف شریفہ کا۔

رابعاً متعلم کو قبل تعلیم خوب جانچ لے کہ پورا سنی صحیح العقیدہ ہے اور اس کے قلب میں فلسفہ ملعونہ کی عظمت و وقعت متمکن نہیں۔

خامساً اس کا ذہن بھی سلیم اور طبع مستقیم دیکھ لے۔ بعض طبائع خواہی نخواہی زیغ کی طرف جاتے ہیں۔ حق بات ان کے دلوں پر کم اثر کرتی اور جھوٹی جلد پیر جاتی ہے۔

قَالَ اللهُ تَعَالٰی وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ☆ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ☆

بالجملہ گمراہ ضال یا مستعد ضلال کو اس کی تعلیم حرام قطعی ہے۔

سادساً معلم و متعلم کی نیت صالحہ ہو، نہ اغراض فاسدہ۔

سابعاً تنہا اسی پر قانع نہ ہو بلکہ دینیات کے ساتھ ان کا سبق ہو، کہ اس کی ظلمت اس کے نور سے متجلی ہوتی رہے۔

ان شرائط کے لحاظ کے ساتھ بعونہ تعالیٰ تشحیذ اذہان ہوگی، ضلالات فلسفہ کے رد پر قدرت ملے گی۔ بہت بد مذہب کہ مناظرات میں کفار فلاسفہ کا دامن پکڑتے ہیں ان کی دندان شکنی ہو سکے گی۔ انہی اغراض سے درس نظامی میں یہ کتب رکھی گئی تھیں کہ اب شدہ شدہ از کجا تا کجا نوبت پہنچی یہاں تک کہ بہت حمقاء کے نزدیک یہی جہالات باطلہ علوم مقصودہ قرار پاگئیں۔"(۱۲)

ان کلمات سے امام احمد رضا قدس سرہ کا علوم عقلیہ کی تعلیم کا نظریہ کھل کر سامنے آ گیا بلکہ اگر مندرجہ بالا شرائط کی پابندی کی جائے تو دنیا کے تمام علوم کی تعلیم امام احمد رضا قدس سرہ کے نزدیک جائز ہے۔

ذرا ماضی کی طرف جھانکئے۔ برصغیر پر غیر ملکی تسلط سے اسلامی و دینی تعلیم میں کس قدر انحطاط آ گیا تھا۔ غیر ملی صاحبانِ اقتدار نے اپنے اغراضِ فاسدہ کی خاطر انگریزی زبان کی تعلیم اس لئے رائج کی کہ یہاں کے لوگ انگریزی تہذیب اپنا لیں۔ اس میں انہیں یہاں تک کامیابی ہوئی کہ آج غیر ملکی تسلط کے زوال کے باوجود مغربی تہذیب کو ہمارے نوجوانوں اور بوڑھوں نے سینے سے لگا رکھا ہے۔ اس ابتدائی دور میں دردمند حضرات نے پیش بندی کی خاطر انگریزی زبان کی تعلیم کی مخالفت کی۔ خود امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا.........

---

(۱۲) فتاویٰ رضویہ جلد دہم۔ ص ۸۲.........۸۳

''انگریزی اور وہ بے سود وتضیع اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دین دنیا میں بھی نہیں پڑتا (۱۳) صرف اس لئے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے ایں وآں و مہملات میں مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو۔ وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا............'' (۱۴)

مگراس کے باوجود دیگر علوم وفنون اور ادب کی طرح انگریزی زبان کی تدریس و تعلیم کے مجوز وقائل ہیں بلکہ اگر اسے اغراضِ دینیہ کے لئے تعلیم کیا جائے تو باعثِ ثواب بھی۔ مولانا کریم رضا کے استفتاء میں آپ نے جو شرائط پیش کیں ان کی موجودگی میں انگریزی تو کیا ہر علوم کی تعلیم وتدریس جائز ہے۔ مگر ہم خاص اس بارے میں امام احمد رضا قدس سرہ کی واضح عبارت پیش کرتے ہیں۔

''ذی علم مسلمان اگر بہ نیت رد نصاریٰ انگریزی پڑھے، اجر پائے گا اور دنیا کے لئے صرف زبان سیکھنے یا حساب ،اقلیدس، جغرافیہ جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں بشرطیکہ ہمہ تن اس میں مصروف ہو کر اپنے دین وعلم سے غافل نہ ہو جائے۔ ورنہ جو چیز اپنا دین وعلم بقدر فرض سیکھنے میں مانع آئے حرام ہے۔ اسی طرح وہ کتابیں جن میں نصاریٰ کے عقائد باطلہ، مثل انکار وجود آسمان وغیرہ درج ہیں ان کا پڑھنا بھی روا نہیں۔'' (۱۵)

---

(۱۳) انگریزی تعلیم اس لئے حاصل کی جاتی تھی کہ دین نہ سہی دنیا ہی سہی، دنیا میں کام آئیں گی۔ لیکن واقعات نے خیالات کی تائید نہیں کی۔ فقیر قادری عفی عنہ

(۱۴) المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ مصنفہ امام احمد رضا۔ مشمولہ رسائل رضویہ جلد دوم مطبوعہ مکتبہ حامدیہ لاہور (باراول) ص ۹۳

(۱۵) فتاویٰ رضویہ جلد دہم۔ ص ۹۹

خلاصہ کلام یہ ہے کہ افادیت کی خاطر تمام علوم، خواہ قدیمہ ہوں یا جدیدہ، عقلی ہوں یا نقلی کی تعلیم امام احمد رضا قدس سرہ کے نزدیک جائز ہے۔

بالفاظِ دیگر امام احمد رضا قدس سرہ افادیت کی خاطر علوم وفنون کی تعلیم وتدریس کے قائل ہیں۔ اگر تعلیمِ علوم میں نظریہ افادیت سے صرفِ نظر کر لی جائے تو وہ تعلیم بے سود تضییع اوقات ہے۔

(د) بعض بزرگ تو علوم جدیدہ بالخصوص انگریزی زبان کے پاس جانا تک روا نہیں رکھتے، اس کے برعکس امام احمد رضا قدس سرہ اگرچہ خود انگریزی زبان سے واقفیت تامہ تو نہیں رکھتے تھے۔ تاہم دین فہمی اور تبلیغ وارشاد کے لئے بوقت حاجت بقدر حاجت انگریزی زبان کا استعمال فرماتے۔

۱۹ر مئی ۱۹۰۸ء کو رنگون سے ایک مستفتی محمد قادر غنی نے ایک استفتاء بزبان انگریزی آپ کی خدمت میں روانہ فرمایا۔ آپ نے اس کا جواب انگریزی میں لکھوایا اور ۲۸ر مئی ۱۹۰۸ء کو روانہ فرمایا۔ (۱۶)

اس استفتاء اور فتویٰ کی نقل مشہور محقق وماہر تعلیم ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ کی معرفت معارف رضا، مطبوعہ کراچی (۱۴۰۱ھ) میں شائع ہو چکی ہے۔

---

(۱۶) امام رضا قدس سرہ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جس طرز پر سوال آتا اسی طرز پر جواب لکھتے۔ اردو استفتاء کا جواب اردو میں۔ فارسی کا فارسی میں، عربی کا عربی میں، انگریزی کا انگریزی میں یہاں تک کہ نثر استفتاء کا جواب نثر میں اور نظم کا جواب نظم میں۔ فتاویٰ رضویہ کے متعدد مقامات پر ایسی مثالیں موجود ہیں۔

فقیر قادری عفی عنہ

(ہ) فلسفہ قدیمہ کے بعض اوہام باطلہ کا رد فرماتے ہوئے منطقۃ البروج کی انگریزی اصطلاحات بطور وضاحت استعمال فرمائیں۔(۱۷)

of the Erth اور of the Sun

(و) ارباب ندوۃ العلماء نے انگریز کی وفاداری کے اظہار کے لئے انگریزی علوم کے ساتھ جب انگریزی تہذیب کو اپنایا تو امام احمد رضا قدس سرہ نے بطور تنقید چند نظمیں لکھیں، جن میں انگریزی الفاظ کو بطور طنز استعمال فرمایا۔ صمصام حسن کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

نیچریاں راست خدا درکمند — نیچر وقانون ورا پائے بند

سرنتواند کہ زنیچر کشد — خط بخدائیش سینچر کند

کیست سینچر سی وایس آئی ست — گول بکول آمدہ نیچر پرست

چوں شدہ استارہ ہند آں دغل — نحس وبلند آمدہ ہمچوں زحل

عرش وفلک جن وملک حشر تن — ناروجناں جملہ غلط کردوظن

کیست نبی پُر دل پُر جوش گو — وحی چہ باشد سخن جوش او

برزدہ برہم ہمہ از اصل وفرع — دین نو آورد ونو آورد شرع

ریش حرام است ودُم فرق فرض — حج سوئے انگلینڈ بود قطع ارض

گفت بیا قوم شنو قوم من — ہیں سوئے اعزاز بَدُو قوم من

ذلت تان دین مسلمانی است — وائے برآنکس کہ نہ نصرانی ست (۱۸)

---

(۱۷) الکلمۃ الملھمۃ مصنفہ امام احمد رضا، ص ۹۵

(۱۸) المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ، مصنفہ امام احمد رضا، مشمولہ رسائل رضویہ جلد دوم۔ ص ۱۴۲۔۱۴۳

مشترقستانِ اقدس میں امام احمد رضا نے جو نظم لکھی، اس میں انگریزی الفاظ کا استعمال بھی ملاحظہ ہو۔

ندویاں کیں جلوہ در اسپیچ ولکچر می کنند چوں بہ سنت می رسند آں کار دیگری کنند
گہ روافض را بر سر بر تاج لطف اللہ نہند گہ پوادررا بہ تخت عالماں بر می کنند
بخت در خت تخت دیں بیں جلوہ باصد رش براں پاڈری وسکاٹ بامسٹر براڈری کنند
مفت مفتی یافت ایں عزت کہ اوراہم نشیں باااماں جج وجنٹ وکلکٹر می کنند
سازو ناز عالماں بیں نظم بزم دین بدیں میز و اسٹیج وٹکٹ ہال وکلب گھر می کنند
زیں سگالشہا چہ نالشہا کہ خود ایں سرکشاں دا ور دا دار رابرٹش گورنر می کنند(۱۹)

(ذ) افادیت کے اعتبار سے امام احمد رضا قدس سرہ کے نزدیک تعلیم وتعلم میں مذہب حق سے آگاہی، باقی علوم کی تعلیم سے مقدم ہے۔ ضروریاتِ دین کی تعلیم کے بعد ہی دیگر علوم کی تعلیم شرائط مذکورہ کے ساتھ جائز ہے۔

۱۴ شعبان ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء کو سید حافظ وحید الدین نے موضع اٹنکبہ چاند پور پرگنہ نواب گنج (انڈیا) سے ایک استفتاء بریلی پیش کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس علاقہ میں ایک مدرسہ قدیم سے جاری ہے، جس میں علم دین مثل حفظ قرآن وناظرہ وضروریات دین ودنیوی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ایک فریق نے گورنمنٹ سے درخواست کر کے سرکاری مدرسہ جاری

(۱۹) المحجة المؤتمنة فی آية الممتحنة، مصنفہ امام احمد رضا، مشمولہ رسائل رضویہ جلد دوم۔ ص ۱۴۳

نوٹ: ان نظموں کا انداز کتنے واضح انداز میں اس بہتان کی تردید کر رہا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی انگریزوں کے ایجنٹ تھے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔
گناہ بے گناہی مصنفہ پروفیسر محمد مسعود احمد مطبوعہ لاہور۔

کروایا ہے۔ اس میں جس قسم کی تعلیم ہوگی ظاہر ہے۔ دونوں مدرسوں اور مدرسین کا کیا حکم ہے۔

اس استفتاء کے جواب میں جو کچھ امام احمد نے رضا نے فرمایا، ملاحظہ کیجئے۔ آپ کو نظریہ افادیت سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں رہے گی۔ آپ ہی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"علم دین سیکھنا اس قدر کہ مذہب حق سے آگاہ ہو، وضو، غسل، نماز، روزے وغیرہا ضروریات کے احکام سے مطلع ہو۔ تاجر تجارت، مزراع زراعت، اجیر اجارے، غرض ہر شخص جس حالت میں ہے اس کے متعلق احکام شریعت سے واقف ہو، فرض عین ہے۔ جب تک یہ حاصل نہ کرے جغرافیہ تاریخ وغیرہ میں اسے وقت ضائع کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ

جو فرض کو چھوڑ کر نفل میں مشغول ہو اس کی سخت برائی آئی اور اس کا وہ نیک کام مردود قرار پایا۔ كَمَا بَيَّنَّاهُ فِي الزَّكٰوةِ مِنْ فَتَاوٰنَا نہ کہ فرض چھوڑ کر فضولیات میں وقت گنوانا۔ غرض یہ علوم ضروریہ مقدم ہیں اور ان سے غافل ہو کر ریاضی، ہندسہ یا دیگر خرافات ووسوسہ پڑھنے پڑھانے میں مشغولی بلاشبہ متعلم ومدرس دونوں کے لئے حرام ہے اور ان ضروریات سے فراغ کے بعد پورا علم دین، فقہ، حدیث، تفسیر، عربی زبان، اس کی صرف، نحو، معانی، بیان، لغت، ادب وغیرہ آلات علوم دینیہ بطور آلات سیکھنا سکھانا فرض کفایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (۲۰)

---

(۲۰) بحوالہ پارہ ۱۱ سورۃ التوبہ رکوع ۴

یہی علوم علم دین ہیں اور انہیں پڑھنے پڑھانے میں ثواب اور ان کے سوا کوئی فن یا زبان کچھ کار ثواب نہیں۔ ہاں جو شخص ضروریات دین مذکورہ سے فراغ پاکر اقلیدس، حساب، مساحت، جغرافیہ وغیرہا وہ فنون پڑھے جن میں کوئی مخالفت شرعی نہیں تو ایک مباح کام ہوگا۔ جب کہ اس کے سبب کسی واجب شرعی میں خلل نہ پڑے۔ ورنہ............

امام احمد رضا قدس سرہ کی تعلیمات کے مطابق

۱۔ سب سے پہلے علم دین بقدرِ کفایت کی تعلیم ضروری ہے۔

مبادا دل آں فرو مایہ شاد
کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد (۲۱)

۲۔ اس کے بعد ایک جماعت تفصیلی طور پر علوم دینیہ مثل حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ کی تحصیل میں مشغول ہو۔

۳۔ بقیہ افراد امت کے لئے مباح ہے کہ وہ علوم جو دنیوی امور میں کارآمد اور مفید ہوں، حاصل کریں۔ ایسا کرنا ان کے لئے مباح ہے۔

۴۔ بغرض تحقیق و تردید فرق باطلہ و اوہام عاطلہ ان علوم کی تحصیل جائز ہے جن کی تحصیل و تعلیم سے عموماً علماء روکتے ہیں، بشرطیکہ ان شرائط کا لحاظ رکھا جائے جن کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔

(ح) آج کے اس مادر پدر آزاد ماحول میں رومانی غزلیات اور جذبات معاشقہ پر مشتمل کتب پڑھنا پڑھانا معیوب تصور نہیں کیا جاتا۔ نتیجہ سامنے ہے کہ نوجوان حتیٰ کہ بوڑھوں کی آنکھوں

(۲۱) فتاویٰ رضویہ جلد دہم۔ ص ۱۰۷، ۱۰۸

سے حیا غائب ہے۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ

حیاء ایمان سے ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ ایمان کی حفاظت اور حیاء کی محافظت کی خاطر فضولیات و ہزلیات کی تعلیم و تعلم کے سخت مخالف ہیں بچے کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''ہرگز ہرگز بہار دانش، مینا بازار، مثنوی غنیمت وغیرہ کتب عشقیہ و غزلیات فسقیہ دیکھنے نہ دے کہ نرم لکڑی جدھر جھکائے جھک جاتی ہے۔'' (۲۲)

نظریہ افادیت سے آنکھیں بند کر کے ہمارے جامعات وکلیات نیز سکولوں کے نصاب میں ایسے علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی ہے جو نہ دین میں کار آمد ہیں اور نہ دنیا میں معین۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی تعلیمات کے مطابق اگر مضامین کی ترتیب رکھی جائے...... ابتدائی اور بنیادی ضروریات دینیہ کی تعلیم کے بعد ہی دیگر مضامین کی تعلیم دی جائے اور ان میں بھی مقصدیت کو پیشِ نظر رکھا جائے...... غیر مفید علوم کو نصاب سے خارج کر دیا جائے...... تو ہمارے فارغ ہونے والے نوجوان مسلمان رہیں۔ ان کی عمر عزیز کا کوئی لمحہ غیر مفید علوم کی تحصیل میں ضائع نہ ہو، اور قومی پیمانے پر ناقابل تلافی نقصان سے بچ جائیں۔

اے راہ روپشتت بمنزل ہشدار

---

(۲۲) فتاویٰ رضویہ جلد دہم۔ ص ۴۷

نظریہ حکمت

امام احمد رضا قدس سرہ کا علوم عقلیہ، سائنس، فلسفہ، منطق، نجوم، ہیئت وغیرہ کی تعلیم کے بارے میں نظریہ یہ ہے کہ ان علوم کو آیات قرآنی و احادیث نبوی کی روشنی میں پرکھا جائے، نہ کہ آیات و احادیث کو سائنسی اصولوں اور فلسفہ و منطق وغیرہ کے وہمی نظریات کی روشنی میں۔ معیار حق و صداقت اللہ اور رسول جل وعلا و ﷺ کے فرامین ہیں۔

علوم عقلیہ میں نظریات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ ان علوم کے مشاہدات اور اصول کبھی ایک جگہ قائم نہیں رہتے۔ اگر قرآنی آیات اور نبی اکرم ﷺ کی احادیث کو ان تبدیلی پذیر اصولوں کی روشنی میں جانچا اور پرکھا جائے اور آیات و احادیث سے سائنسی مزعومہ اصولوں کی حقانیت ثابت کرنے کی روش اختیار کی جائے تو لازم آئے گا کہ جب یہ مزعومہ اصول بدل جائیں، قرآنی آیات و احادیث کی تکذیب کی جائے اور یہ محال ہے۔ لہٰذا معیار صداقت قرآن و حدیث ہے نہ کہ فلسفہ و منطق اور سائنس۔

سرسید احمد خاں نے "تفسیر القرآن" میں یہی خطرناک روش اختیار کی۔ حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے جو کچھ پایا قرآن و حدیث اور فضل الٰہی و کرم نبوی سے پایا، وہ قرآنی یقینیات پر سائنسی ظنیات کو فوقیت نہ دیتے تھے۔

یہ تو ابھی آپ نے سنا کہ سائنس سمیت تمام علوم عقلیہ ترقی پذیر ہیں اور ترقی پذیر شے مکمل نہیں ہوتی۔ قرآنی آیات و احادیث مکمل اور غیر متبدل ہیں۔ نامکمل کو تو مکمل کی روشنی میں جانچا جاسکتا ہے، مگر مکمل کو نامکمل پر پرکھنا جنون ہی ہوسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں علوم قدیمہ

از قسم منطق و فلسفہ اور علوم جدیدہ مثلاً سائنس وغیرہا ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔ وہ تمام علوم کی حقانیت وصداقت آیات واحادیث کے غیر متبدل اصولوں پر پیش کر کے حق و باطل کی نشان دہی کرتے ہیں ۔(۱)

علوم عقلیہ قدیمہ کے جو نظریات اسلامی اصولوں سے متصادم تھے۔ ان کے بارے میں جابجا صاف صاف بیان کیا۔ ان کی تردید میں مستقل رسائل تصنیف فرمائے۔ ان رسائل میں سے یہ مشہور اور اہم ہیں۔

☆ الکلمۃ الملھۃ فی الحکمۃ لوھاء فلسفۃ المشئمۃ (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء)

☆ فوز مبین در حرکت زمین (۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء)

☆ معین مبین بھر دور شمس و سکون زمین (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء)

قرآن وحدیث سے متصادم نظریاتِ فلسفہ وغیرہ کے رد میں جو کچھ آپ نے فرمایا، اس کے چند اقتباسات حاضر ہیں۔

(۱) ''ہم نے تمیں مقام ان (فلسفہ قدیمہ) کے رد میں لکھے جن سے بعونہٖ تعالیٰ تمام فلسفہ قدیمہ کی نسبت روشن ہو گیا کہ فلسفہ جدیدہ کی طرح بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔''(۲)

---

(۱) سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔
''اعلیٰ حضرت نے کسی ایسے نظریئے کو کبھی صحیح وسلامت نہ رہنے دیا جو اسلامی تعلیمات سے متصادم رہ سکے۔''
مختصر حالات امام اہل سنت، مشمولہ احکام شریعت مطبوعہ کراچی۔ ص۴

(۲) الکلمۃ الملھمہ۔ مطبوعہ دہلی۔ ص۵

(ب) فلسفہ قدیمہ کے بعض غلط نظریات کے بطلان پر امام احمد رضا قدس سرہ کی علمی گرفت ملاحظہ ہو۔

''فلک پر خرق والتیام جائز ہے۔ فلسفی اسے محال کہتا ہے اور اس کے فضلہ خوار نیچری وغیرہم اسی پر معراج پاک کے منکر ہیں۔ (۳) طرفہ یہ کہ ایمان وکلمہ گوئی وتصدیقِ قرآن عظیم وایمان قیامت کے مدعی ہیں۔ قرآن وقیامت پر ایمان، استحالہء خرق والتیام کے ساتھ کیوں کر جمع ہوا؟؟ جس میں بکثرت نصوص قاطعہ ہیں کہ روز قیامت آسمان پارہ پارہ ہوجائیں گے۔

وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیَاتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ'' (۴)

(ج) قدیم فلسفہ میں الٰہیات اور طبعیات کی بعض بحثیں قرآن وحدیث سے سراسر متصادم تھیں، ان بحثوں کی تدریس وتعلیم اس وقت تک ناروا رہے گی جب تک ان میں حق و باطل کا امتیاز نہ کردیا جائے۔ ضلع ہزارہ سے ایک استفتاء امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عالم سید استاذ کے ایک شاگرد نے علوم فلسفہ ومنطق وغیرہ پڑھ کر استاد سے برتری کا دعویٰ کردیا ہے۔ جواب فتویٰ کی چند سطور آپ بھی ملاحظہ کریں۔

''..........حالانکہ ایں علوم فلاسفہ اعنی طبعیات والٰہیات آنہا کہ مملو ومشحون است از ضلالات شنیعہ وبطالات قطعیہ تا آنکہ درونے انبارہاست از کفر و شرک وانکار ضروریات دین وخروارہا از مضادّت قرآن ومحادّت فرمان انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔ وَقَدْ فَصَّلْنَا بَعْضَھَا عَنْقَرِیْبٍ فِیْ

---

(۳) معراج جسمانی کا تازہ انکار کرنے والوں میں سرسید احمد خاں اور ان کے متبعین ہیں۔
(۴) الکلمۃ الملھمۃ۔ ص ۴۷

رِسَالَةٍ لَّنَا سَمَّيْنَاهَا مَقَامِعَ الْحَدِيْدِ عَلٰى خَدِّ الْمَنْطِقِ الْجَدِيْدِ اَقَمْنَا فِيْهَا الطَّامَّةَ الْكُبْرٰى عَلَى الْمُتَهَوِّرِيْنَ مِنْ مُتَفَلْسِفِي الزَّمَانِ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ

قطعاً از علوم محرمہ است'' (۵)

ایسے علوم محرمہ جن میں اسلامی تعلیمات کے خلاف نظریات ہوں، کی تعلیم کس طرح جائز ہوسکتی ہے۔

(د) اب ذرا سائنس کی طرف آیئے۔ جدید سائنس کی یلغار سے بہت سے لوگ متاثر ہوکر قرآنی حقیقتوں کا انکار کر بیٹھے۔ وجود آسمان، فرشتہ، جنت، دوزخ وغیرہا کا انکار ان کے نزدیک جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ٹھہرا۔ (۶)

مرعوبیت کے اس دور میں امام احمد رضا قدس سرہ کی آواز اور پکار یہ تھی کہ قرآن پاک کو مضبوطی سے پکڑو اور سائنس کو مسلمان بنالو۔ انہی کے اپنے الفاظ سنئے۔

''قرآن عظیم کے وہی معنی لینے ہیں جو صحابہ وتابعین ومفسرین معتمدین نے لئے۔ ان سب کے خلاف وہ معنی لینا جن کا پتہ نصرانی سائنس میں ملے۔ مسلمانوں کو کیسے حلال ہوسکتا ہے۔'' (۷)

---

(۵) فتاویٰ رضویہ۔ جلد دہم۔ ص ۲۳

ترجمہ عبارت: فلاسفہ کے یہ علوم طبعیات اور الٰہیات کہ گمراہیوں اور باطل باتوں سے پر ہیں ان میں کفر وشرک اور ضروریات دین کے انبار ہیں۔ قرآن اور فرمان انبیاء سے متصادم نظریات کا ڈھیر ہیں، ہم نے ان میں بعض کا ذکر اپنے رسالہ مقامع الحدید علی خد المنطلق الجدید میں کیا۔ اس میں ہم نے زمانہ حال کے متفلسفین پر قیامت قائم کردی ہے۔ قطعاً یہ علوم حرام ہیں۔

(۶) سرسید نے انگریزوں کی وفاداری میں ان اشیاء اور اس کے علاوہ اور بہت سی مسلمہ حقیقتوں کا انکار کردیا۔ اپنی تفسیر میں ان کی نئی تاویلات کیں۔ تفصیل کے ملاحظہ ہو۔ حیات جاوید، مصنفہ الطاف حسین حالی مطبوعہ علی گڑھ

(۷) نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان ۔ مصنفہ امام احمد رضا۔ ص ۶

(ہ) اسلامیہ کالج لاہور کے سابق پرنسپل، مشہور ماہر ریاضی وسائنس پروفیسر مولوی حاکم علی نقشبندی علیہ الرحمہ نے (۸) ۱۳۳۹ھ/۱۹۱۹ء میں سائنسی علوم کے بعض نظریات کے متعلق ایک استفتاء امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمت میں پیش کیا اور التجا کی۔

"غریب نواز! کرم فرما! میرے ساتھ متفق ہو جاؤ تو پھر ان شاء اللہ سائنس کو اور سائنس دانوں کو مسلمان کیا ہوا پائیں گے"

کسی غیر مسلم اور وہ بھی جدید تعلیم یافتہ کو مسلمان بنانے کا جذبہ کتنا قابل قدر ہے؟......
اس پر امام احمد رضا قدس سرہ کو فرط مسرت میں جدید سائنس کے نظریات پر مہر تصدیق ثبت کر دینا چاہئے تھا۔ مگر آپ کی نگاہ میں اس سے بلند مرتبہ تھا۔ اور وہ تھا قرآنی حقائق کا غیر متبدل ثابت کرنا۔ موجودہ سائنسی نظریات کے مقابل آپ کی نگاہ میں قرآنی سائنس کی تعلیم ہی باعث فضیلت ہے۔ آپ نے مولوی حاکم علی کے جواب میں فرمایا۔

"...........اور بفضلہ تعالیٰ آپ جیسے دین دار سنی مسلمان کو تو اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ ارشاد قرآن عظیم و نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم ومسئلہ اسلامی و اجماع امت گرامی کے خلاف کیوں کر کوئی دلیل قائم ہوسکتی ہے؟...... اگر بالفرض اس وقت ہماری سمجھ میں اس کا رد نہ آئے جب بھی یقیناً وہ مردود اور قرآن وحدیث واجماع سچے۔ یہ ہے بحمد اللہ شان اسلام۔
محبّ فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کرلیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام

---

(۸) پروفیسر مولوی حاکم علی کے حالات زندگی اور خدمات پر پروفیسر محمد صدیق نے بڑی محنت سے حال میں ایک کتاب مرتب کی ہے، اسے مکتبہ رضویہ لاہور نے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا ہے۔

نے سائنس قبول کی، نہ کہ سائنس نے اسلام .... وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے، سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ دلائل سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جابجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو، سائنس کا بطلان و اسکات ہو۔ یوں قابو میں آئے گی۔" (۹)

(د) بیسویں صدی کے اوائل میں برصغیر میں طاعون کا مہلک مرض اتنا عام ہوا کہ العیاذ باللہ...... اس دور میں بعض اطباء اور ڈاکٹروں نے غیر شرعی علاج اور تدابیر تجویز کیں اور ان کو عام کرنا چاہا۔ ان غیر شرعی تجاویز کے بارے میں علماء سے رجوع کیا گیا۔ ایک استفتاء امام احمد رضا قدس سرہ کو پیش کیا گیا۔ اس استفتاء کے جواب میں آپ نے جو کچھ فرمایا اس سے قرآن وحدیث کے غیر متبدل اصولوں کی برتری موجودہ سائنسی نظریات پر واضح ہوتی ہے۔ جواب کا ایک حصہ ملاحظہ ہو۔

"سچا ہلاک تو یہ ہے کہ مصطفیٰ ﷺ کے ارشاد اقدس کو کہ عینِ رحمت و خیر خواہی امت ہے، معاذ اللہ مضرت رساں خیال کیا جائے اور اس کے مقابل طبیبوں اور ڈاکٹروں کی کتاب کو اپنے لئے نافع سمجھا جائے۔

ببیں　از　کہ　بریدی　وبارکہ　پیوستی"(۱۰)

اطباء کی تجاویز اور علاج اگر چہ مفید نظر آرہا تھا مگر جب کہ وہ نصوص شرعیہ کے مخالف تھا، امام احمد رضا نے اس کو رد کر دیا۔ آپ کی تعلیم کا محور تو قرآن وحدیث ہے، نہ کہ طب اور سائنس۔ یہ اسی حد تک قابل قبول ہیں جب کہ اسلام کے تابع ہوں۔

---

(۹) نزولِ آیات فرقان بسکون زمین وآسمان، مصنفہ امام احمد رضا، ص ۲۵

(۱۰) تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون، مصنفہ امام احمد رضا قدس سرہ مطبوعہ لاہور۔ ص ۱۴

(ز) موجودہ صدی کی ابتداء سے ہی سائنسی ایجادات نے کثرت سے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا، اور ایک عالم پر ان کا سکہ بیٹھ گیا۔ لوگ قرآنی صداقت اور عظمت کو بھول رہے ہیں۔ بلکہ بعض "مصلحین" نے تو قرآن وحدیث کی وہ تشریح وتوضیح کی جن کو نئے آقایانِ حکومت قبول کرلیں۔ اس پُرفتن دور میں بھی امام احمد رضا قرآن وحدیث کی صداقت اور عظمت کا علم بلند کیے رہے۔ اس موضوع پر آپ نے متعدد کتابیں لکھیں۔ چند ایک یہ ہیں۔

☆ نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان ۱۳۳۹ھ

☆ معین مبین بهر دور شمس وسکون زمین ۱۳۳۸ھ

☆ الكلمة الملهمة فى الحكمة المحكمة لوهاء فلسفه المشئمة ۱۳۳۹ھ

امام احمد رضا قدس سرہ کے سائنسی نظریات معلوم کرنے کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ (۱۱)

سائنس، تحقیق، تلاش اور ایجاد...... دین ودل کی تقویت کے لئے ہوں تو ایمان افروز ہوتی ہیں ورنہ یہی امور آدمیت سوز اور شیطانی کام بن جاتے ہیں۔ آج کی مغربی دنیا اس کی لپیٹ میں آ گئی ہے۔ سائنس اور ایجادات جب مسلمانوں کے پاس تھیں یعنی اسلام کے تابع تھیں، گرہ کشا اور راہنما تھیں۔ جب یہ علوم اسلام سے ہٹ کر مغرب کی بے دین درسگاہوں میں پہنچے تو ان کا مقصد ہی بدل گیا۔

نظری علوم کے بارے میں امام موصوف کے نظریہ کو مختصر طور پر یوں بیان کیا جاسکتا

---

(۱۱) الكلمة الملهمة۔ مصنفہ امام احمد رضا۔ ص ۶

ہے کہ قرآن وحدیث کی حقیقتیں غیر متبدل ہیں اور سائنس ابھی مسافر ہے جو منزل پر ابھی نہیں پہنچی اور انسانی عقل بغیر اسلام کی راہنمائی کے منزل پر پہنچ ہی نہیں سکتی۔ نیز یہ کہ قرآنی علوم اور سائنسی نظریات میں اختلاف یا تضاد کی صورت میں قرآنی اصول کو اپنا معیار سمجھنا فرض ہے۔ علوم نظریہ سے اگر کوئی کام لیا جا سکتا ہے تو خدمت دین مبین اور خدمتِ مخلوقِ خدا......

نظریہ عظمت

عظمت سے میری مراد حضور انور اعلیٰ واکمل سرور و سردار عالمیان ﷺ کی شان اقدس واطہر کی عظمت وعزت کا بیان ہے۔ بادی النظر میں یہ عنوان ایک معمولی نوعیت کا حامل ہے، مگر درحقیقت مسلمان کی زندگی اور اس کا ایمان اس کے بغیر نامکمل ہے۔ روکھی پھیکی زندگی بے حقیقت ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کے نزدیک تمام تعلیمات کا مقصد ومنتہا بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں نیازمندانہ حاضری ہے۔ تمام علوم کی غرض وغایت گنبد خضراء کے مکین کے حضور عقیدت ومحبت سے وابستگی ہے، عام ازیں یہ حاضری جسمانی ہو یا روحانی۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لے کر علمائے امت نے اپنے اپنے انداز میں بارگاہ رسالت میں نذرانے پیش کئے۔ ایمان کی حقیقت امام احمد رضا قدس سرہ کی زبان سنئے۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ (۱)

آپ تمام علوم کی علمی قوتیں مدحت حضور ﷺ کے لئے وقف کردینا متاع حیات یقین فرماتے ہیں۔

مَنْ لَّمْ یَرَ نَفْسَهٗ فِیْ مِلْکِهٖ لَمْ یَجِدْ حَلَاوَةَ الْاِیْمَانِ (۲)

آپ کی تعلیم کا منتہا تھا......اس غرض کو آپ کی تمام تصنیفات میں جابجا مشاہدہ

---

(۱) حدائق بخشش مصنفہ امام احمد رضا حصہ اول

(۲) ترجمہ: جو شخص اپنی جان کو حضور ﷺ کی غلامی میں گم نہ کردے وہ ایمان کی حلاوت سے محروم رہتا ہے۔

کیا جا سکتا ہے...... نظم و نثر میں جدتِ طبع کے باعث بعد والوں کے لئے نئی راہیں متعین کیں ...... نثر میں صرف دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(ا) ہر مصنف اور مؤلف اپنی تصنیف و تالیف کی ابتداء خطبہ سے کرتا ہے۔ اس میں حمدِ الٰہی، نعتِ رسولِ اکرم ﷺ اور کتاب کی غرض و غایت بیان کرتا ہے۔ نیز یہ کہ اس کتاب میں درج ہونے والے مضامین کے ماخذ بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ کو ترتیب دیا۔ اگرچہ یہ کتاب عام فقہ کی کتابوں کی ترتیب پر ہے۔ یعنی عبادات، معاملات اور اخلاق وغیرہ۔ مگر خطبہ میں ایسا جدید انداز اختیار کیا کہ یہ کتاب کی غرض و غایت اور متقدمین و متاخرین فقہاء کے فتاویٰ و متون و شروح کے نام سے نعت شریف کا انداز اختیار کر گئے۔ نوے (۹۰) مستند و معتمد کتب فقہ، حضور انور ﷺ کی صفات جلیلہ کا مظہر بن گئیں۔ (۳)

(ب) سلاسل طریقت میں یہ دستور رائج ہے کہ وہ اپنے پیران عظام کے اسماء گرامی بطور شجرہ پڑھتے ہیں۔ اور اس کی تعلیم و تلقین کرتے ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اردو فارسی میں سلسلہ قادریہ کے شجرہ کو منظوم کیا ہے۔ عربی نثر کے شجرہ میں مشائخ کرام کے اسماء کا ذکر اس انداز میں فرمایا کہ وہ اسماء نبی اکرم ﷺ کی صفات بن گئے۔ (۴)

---

(۳) تفصیل کے لئے فتاویٰ رضویہ جلد اول کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

(۴) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

(ا) کشکول فقیر قادری، از افادات امام احمد رضا، مطبوعہ بریلی

(ب) ماہنامہ المیزان، امام احمد رضا نمبر

اس شجرہ کا تاریخ نام زهر الصلاة من شجرة الائمة الهداة (۱۳۰۵ھ) ہے

نوٹ: اس عنوان کی مزید مثالیں حدائق بخشش (حصہ اول، دوم، سوم)...... الملفوظ مرتبہ مولانا محمد مصطفیٰ رضا مفتی اعظم بریلی...... فقه شهنشاه وان قلوب بيد المحبوب بعطاء الله...... حجب العوار عن مخدوم بهار وغیرہ مصنفات امام احمد رضا قدس سرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

نظریہ حرمت

حرمت کا مفہوم یہ ہے کہ تعلیم اور متعلقات تعلیم سب کی عزت کی جائے۔ متعلقات تعلیم میں استاد، کتاب، کاغذ، مکتب سب کی تعظیم ضروری ہے۔ آج کی مروجہ تعلیم میں استاد کو صرف تنخواہ دار غلام سمجھ لیا گیا ہے۔ اور کتاب کو چند حروف کا مجموعہ تصور کرلیا گیا ہے حالانکہ کتاب، علم ایسی نازک اور مقدس شے کا ذریعہ ہے۔ کتاب اور استاد کا ادب ہماری درسگاہوں سے غائب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مدارس، کلیات اور جامعات میں استاد اور شاگرد کے درمیان امتیاز مٹ چکا ہے۔

استاد کے احسانات علمیہ کو فراموش کر دینا ایک معمول ہے۔ اکثر اوقات استاد کی پگڑی شاگردوں کے ہاتھوں اچھلتی نظر آتی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟؟ اس کا جواب امام احمد رضا قدس سرہ کے پاس یہ ہے کہ ہمارے نظریہ تعلیم ہی سے ان مقدس اور اعلیٰ اقدار کا فقدان ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ استاد کے احسانات کو مدنظر رکھا جائے۔ کاغذ، کتاب، مکتب کی حرمت وعزت کا پاس رکھا جائے تو کبھی بھی یہ صورت پیش نہ آئے۔

(۱) ضلع ہزارہ سے ایک استفتاء پیش ہوا کہ ایک ناسپاس شاگرد نے اپنے استاد سے زیادہ علم حاصل کر کے اس کی تحقیر کی ہے۔ اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس سے استاد اور شاگرد کے تعلقات پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

واز امیر المومنین سیدنا علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہ الکریم می آرند کہ فرمود

مَنْ عَلَّمَنِیْ حَرْفًا فَقَدْ صَیَّرَنِیْ عَبْدًا اِنْ شَاءَ بَاعَ وَاِنْ شَاءَ اَعْتَقَ

ہر کہ مرا حرفے آموخت پس بتحقیق مرا بندہ خود ساخت اگر خواہد فروشد واگر خواہد آزاد کنند"(۱)

(ب) امام احمد رضا قدس سرہ کا موقف یہ ہے کہ استاد، جس نے شاگرد کو ایک حرف بھی سکھایا، آقا ہے اور شاگرد بمنزلہ غلام۔ اس میں ضروری نہیں کہ اعلیٰ تعلیم دینے والا اعلیٰ اور ابتدائی تعلیم دینے والا کمتر۔ استاد بہر حال استاد ہے۔ خواہ کس درجے کا ہو۔ اس کے احسانات کو فراموش کر دینا انسانیت کے منافی ہے۔ اس سے نہ صرف شاگرد کی اپنی قدر و قیمت گھٹ جائے گی بلکہ وہ فیضانِ علم سے محروم رہے گا۔ آج کے شاگرد کو یہ احساس ہی نہیں کہ وہ استاد کے احسانات کو (خواہ وہ کتنے ہی معمولی کیوں نہ ہوں) پس پشت ڈال کر کس خسارہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس خسارے کی طرف امام احمد رضا قدس سرہ نے یوں اشارہ فرمایا۔

"ناسپاسی اوستاذ کہ بلائے است ہائل ودائیست قاتل وبرکات علم را مزیل ومبطل، العیاذ باللہ"(۲)

(ج) شاگرد کو استاد کے حقوق کی حفاظت کا سبق دیتے ہوئے امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا۔

"علماء فرمودہ اند از حق اوستاذ بر شاگرد آنست کہ بر فراش او نہ نشیند اگرچہ اوستاذ حاضر نہ باشد۔"(۳)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ جلد دہم۔ ص ۲۰

ترجمہ: امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے ایک حرف کی تعلیم دی اس نے مجھے اپنا غلام بنالیا۔ اگر چاہے فروخت کرے اور اگر چاہے تو مجھے آزاد کردے۔

(۲) فتاویٰ رضویہ۔ جلد دہم۔ ص ۱۹

ترجمہ: استاد کے احسانات کو فراموش کر دینا ایک مصیبت ہے۔ ایک قاتل بیماری ہے اور علم کی برکات کو زائل اور باطل کرنے والی بیماری ہے۔ اللہ کی پناہ۔

(۳) فتاویٰ رضویہ۔ جلد دہم، ص ۲۱،

ترجمہ: علماء فرماتے ہیں کہ شاگرد پر استاد کا حق یہ ہے کہ اسکی نشست پر نہ بیٹھے، اگرچہ استاد حاضر نہ ہو اور نشست خالی ہو۔

(د) اسی عنوان پر آپ نے اپنا نظریہ ان الفاظ میں بھی پیش کیا۔

''ہم چنیں فرمودندہ اند کہ تلمیذ را در رفتن وسخن گرفتن بر استاذ تقدم وسبقت نمی رسد۔'' (۴)

(ہ) تعلیم جدیدہ نے ایک مرض اور بڑھا دیا، شاگرد کچھ پڑھ لکھ کر سمجھتا ہے کہ میں نے وہ کچھ حاصل کرلیا ہے کہ اب مزید علم کی گنجائش نہیں۔اسی زعم میں رہ کر وہ مزید علم سے محروم رہتا ہے۔جب بھی وہ کسی عالم کے پاس جاتا ہے یہی ہمہ دانی کا زعم اسے مزید علم حاصل کرنے سے روکتا ہے۔اس کے برعکس امام احمد رضا قدس سرہ کا نظریہ یہ ہے کہ علم حاصل کرو جہاں سے بھی تمہیں ملے۔اور اگر کسی عالم (خواہ تمہارے درجہ کا ہی کیوں نہ ہو) کے پاس جاؤ تو یہ سمجھ کر جاؤ کہ میں علم سے خالی ہوں، تب ہی جا کر اس کے علم سے فیض پاؤ گے۔فرمایا۔

''لینے والے کو یہ چاہئے کہ جب کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو اگر چہ کمالات سے بھرا ہوا ہو، اپنے تمام کمالات کو دروزاہ ہی پر چھوڑے اور یہ جانے کہ میں کچھ جانتا ہی نہیں۔خالی ہو کر آئے گا تو کچھ پائے گا اور جو اپنے آپ کو بھرا سمجھے گا۔

انائے کہ پر شد دگر چوں پرد

بھرے برتن میں کوئی چیز نہیں ڈالی جاسکتی۔'' (۵)

(ہ) جو شخص بھی علم سے متعلق ہو، خواہ شاگرد ہو یا استاذ، اس سے تواضع اختیار کرنا چاہئے۔

(۴) فتاویٰ رضویہ۔جلد دہم، ص ۲۱

ترجمہ: اسی طرح علماء فرماتے ہیں کہ چلنے اور گفتگو کرنے میں شاگرد استاد سے پہلے نہ کرے۔

(۵) ملفوظات امام احمد رضا، مولفہ مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا بریلوی جلد اول۔مطبوعہ کراچی۔ص ۹۳

تواضع سے فیضان علم میں اضافہ ہوتا ہے اور شان بڑھتی ہے۔ تعظیم اور تواضع کو بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر حدیث نبوی کی روشنی میں اس نظریہ کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

"اپنے استاد بلکہ شاگردوں کے لئے بھی تواضع کا حدیث میں حکم ہے۔

تَوَاضَعُوْا لِمَنْ تَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ وَتَوَاضَعُوْا لِمَنْ تُعَلِّمُوْنَهٗ وَلَاتَکُوْنُوْا جَبَابِرَۃَ الْعُلَمَاءِ

جس سے علم سیکھتے ہو اس کے لئے تواضع کرو اور جسے سکھاتے اس کے لئے

تواضع کرو اور گردن کش عالم نہ بنو۔ رواہ الخطیب عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ" (۶)

(ز) ذریعۂ تعلیم کتاب اور حروف بھی معظم ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے متعدد مقامات پر اس قسم کے بیان فرمائے جس سے کتاب، حرف بلکہ نفس کاغذ کی حرمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کے سامنے ایک استفتاء پیش ہوا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ استاد چارپائی یا کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے اور شاگرد نیچے فرش پر یا چٹائی پر۔ بہر حال اس کی تختی، کتابیں، کاغذ وغیرہ نیچے ہی ہوتے ہیں۔ کیا اس سے کتاب و تختی کی بے حرمتی نہیں ہوتی؟ جواب میں آپ نے فرمایا۔

"ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ نفس حروف قابل ادب ہیں، اگرچہ جدا جدا لکھے ہوں۔ جیسے تختی یا وصلی پر۔ خواہ ان میں کوئی برا نام لکھا ہو جیسے فرعون ابوجہل وغیرہما تاہم حروف کی تعظیم کی جائے اگرچہ ان کافروں کا نام لائق اہانت و تذلیل ہے............ اور تصریح فرماتے ہیں کہ کتاب پر دوات رکھنا منع ہے مگر جب لکھتے وقت ضرورت ہو............. اور تصریح فرماتے ہیں کہ اگر کسی صندوق یا الماری میں کتابیں رکھی ہوں تو ادب یہ ہے کہ اس کے

(۶) حجب العوار عن مخدوم بہار مصنفہ امام احمد رضا۔ مطبوعہ ۱۳......۱۴

اوپر کپڑے نہ رکھے جائیں..........تو کیوں کر ادب ہوگا کہ کتابیں نیچے رکھی ہوں اور آپ اوپر بیٹھیں؟ کیا ایسے لوگوں کو بے ادبی کی شامت سے خوف نہیں؟؟.............."(۷)

اسی حقیقت کو کتنے زوردار الفاظ میں بیان فرمایا۔

"حروف خود مُعَظَّم ہیں کمابیناہ فی فتاونا "(۸)

آج ہمارے تعلیمی اداروں میں نظم وضبط کی کمی صرف دنیائے تعلیم کا ہی ایک بہت بڑا المیہ نہیں بلکہ ملک وقوم کے لئے ایک سنگین معاملہ بھی ہے، اور اس رجحان کو اپنی رو میں بہنے دینے کا جو انداز فکر و عمل اختیار کر لیا گیا ہے وہ کسی اعتبار سے نہ قابل تعریف ہے، اور نہ اسے قوم وملک کے لئے خوش آئند رویہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس سائنس اور ترقی کے زمانہ میں ہر طرف آزادی ہے۔ ایسی آزادی کہ نہ استاد کا پاس، نہ والدین کا شرم وحیا، نہ ملک وملت کی پرواہ۔ معیار تعلیم روبہ انحطاط ہے، نظم وضبط کا فقدان ہے۔(۹)

اس ساری صورت کی ذمہ داری موجودہ طرزِ تعلیم اور نظریۂ تعلیم پر ہے۔ ہماری درسگاہوں میں استاد، والدین اور کتاب کا احترام پیدا ہی نہیں کیا جاتا۔

ہم علی وجہ البصیرت یقین کامل سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہماری درس گاہوں کے طلبہ میں استاد اور کتاب کا ادب پیدا کر دیا جائے تو ان ہی درس گاہوں کا ناگفتہ بہ ماحول انتہائی پرسکون اور پاکیزہ ہو جائے اور آئے دن کی ہاوہو سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے۔ اس کے لئے امام احمد رضا قدس سرہ کے پیش کردہ نظریۂ حرمتِ استاد و کتاب پر عمل ضروری ہے۔

(۷) فتاوٰی رضویہ جلد دہم۔ ص ۲۵

(۸) الکشف شافیا حکم فونو جرافیا، مصنفہ امام احمد رضا۔ مطبوعہ کانپور۔ ص ۵۲

(۹) اقبال نے ایسے نوجوانوں کے بارے میں فرمایا۔

من ندارم آں مسلماں زادہ راست کہ درو دانش فزود و ادب کاست

نظریہ مہابت

مہابت سے ہماری مراد یہ ہے کہ زندگی میں وقار وسکون کی کیفیت پیدا کی جائے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو تعلیم کا مقصد ہی زندگی میں وقار وسکینہ پیدا کرنا ہے۔ تعلیم کے بعد بھی اگر زندگی وقار وسکون کی کیفیت سے عاری ہو تو وہ تعلیم محض ایک بوجھ ہے، جسے انسان پر ڈال دیا گیا ہے۔ حالانکہ "تعلیم تو انسانی بوجھوں کو ہلکا کرتی ہے۔"

مقاصد تعلیم اور استاد وشاگرد کے تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے امام احمد رضا قدس سرہ وقار وسکون کو تعلیم کی غرض بتاتے ہیں۔

" عَنِ النَّبِيِّ ﷺ تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَتَعَلَّمُوا لِلْعِلْمِ السَّكِينَةَ وَالْوَقَارِ وَتَوَاضَعُوا لِمَنْ تَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ(۱)

علم آموزید و بہر علم سکون ومہابت آموزید و پیش اوستاذ کہ شمارا تعلیم کردہ است تواضع وفروتنی ورزید بخر دان سعادت مند اگر برا اوستاذ چو بند ہم از برکت وفیض اوستاد دانند و بیشتر از بیشتر روئے خاک پائش مانند

کا خراے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست ...."(۲)

ہماری موجودہ تعلیم میں یہ زبردست خامی ہے کہ دوران تعلیم یا تعلیم کے بعد، ہمارے تعلیم یافتہ حضرات میں وقار وسکون اور مہابت ومحبت کا سماں پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ

(۱) فتاوٰی رضویہ جلد دہم۔ ص ۲۱

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ علم سیکھو اور علم کے لئے وقار وسکون سیکھو اور جس استاد سے تم نے علم سیکھا اس کے سامنے تواضع اختیار کرو۔

(۲) سعادت مند شاگرد اگر استاد سے برتری بھی حاصل کرلے تو اس کو بھی استاد ہی کا فیض جانے کہ اے باد صبا یہ خوشبو تو ہی لائی۔

ہے کہ تعلیم سے فراغت کے بعد طالب علم کی زندگی بے سکون و بے کیف ہی رہتی ہے۔اس کے قلب وقالب میں بے سکونی اور بے چینی باقی رہتی ہے۔بلکہ تعلیم کے بعد اس اضطرابی کیفیت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

کاش ہماری تعلیم کے ذمہ دار حضرات کچھ ایسی روش اختیار کریں اور ایسا ماحول پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہوں جس کی طرف امام احمد رضا قدس سرہ نے واضح ہدایات دی ہیں۔

نظریہ للّٰہیت

امام احمد رضا قدس سرہ اس امر کے داعی و قائل ہیں کہ تعلیم کی تمام تر استعدادات کو دین فہمی کے لئے مختص کر دیا جائے۔ اور اس کے لئے کی جانے والی تمام مساعی کا اجر مولا تعالیٰ سے طلب کیا جائے۔ دنیاداروں سے اس کے معاوضہ و بدلہ کی توقع رکھنا دین و حمیت انسانی کے خلاف ہے۔

آج کے اس مادی دور میں یہ نظریہ انتہائی تعجب سے سنا پڑھا جائے گا۔ ہر طرف دولت کی ہوس موجود ہے۔ کثرتِ دنیا اور حرص و ہوا نے انسان کو یادِ خدا اور محبتِ مصطفیٰ ﷺ سے غافل کر رکھا ہے۔ دین کا کوئی کام تعلیم، تدریس، تبلیغ، تصنیف، وعظ اور خطبہ وغیرہ...... حصولِ زر، شہرت یا جاہ و جلال کے بغیر سر انجام نہیں پاتا، ماسوائے چند شخصیات کے (جنہیں آپ انگلیوں پر شمار کر سکتے ہیں) ہر کوئی عالم و عامی اس مرض کا مریض ہے۔ یہ درست ہے کہ بسر اوقات کے لئے کچھ لوازمات کی ضرورت ہے، مگر خواہشات کی کوئی انتہا نہیں اور نہ ان کا جواز۔

زمانہ سلف میں علماء اور صوفیاء اس نظریہ کی تلقین کرتے رہے۔ حضور داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"نیکو گفت آں شیخ المشائخ یحییٰ بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ

اِجْتَنِبْ صُحْبَةَ ثَلَاثَةِ اَصْنَافٍ مِنَ النَّاسِ الْعُلَمَاءِ الْغَافِلِيْنَ وَقُرَّاءِ الْمُدَاهِنِيْنَ وَالْمُتَصَوِّفِيْنَ

اما علماء غافل آناں باشند کہ دنیا را قبلہ دل خود گردانیدہ باشند و از شرع آسانی اختیار کردہ و پرستش سلاطین و ظلمہ برداشت گرفتہ و درگاہ ایشاں را طواف گاہ

خود ساختہ وجاہ خلق را محراب خود گردانیدہ وبدقت کلام خود مشغول گشتہ واندر ائمہ واستاذن زبان طعن دراز کردہ وتعبیر کردن بزرگان دین بسخن زیادہ مشغول شدہ............(۱)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"فَاَمَّا التَّعْلِيْمُ عَلٰى قَصْدِ الدُّنْيَا فَهُوَ اِهْلَاكٌ وَاَىُّ اِهْلَاكٍ"(۲)

ایک اور عالم کا ارشاد ہے۔

"يَنْبَغِىْ لِلْعَالِمِ اَنْ لَا يَقْصِدَ بِعِلْمِهٖ اِلٰى غَرَضٍ مِّنْ اَغْرَاضِ الدُّنْيَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِىْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا .... وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا يَبْتَغِىْ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ غَرَضًا مِّنْ اَغْرَاضِ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عُرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"(۳)

---

(۱) کشف المحجوب۔ طبع سمرقند۔ ص ۲۲

ترجمہ: شیخ المشائخ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ تین آدمیوں کی صحبت سے بچتے رہو...... غافل علماء...... مداہن قاری...... متصوف صوفی...... غافل علماء وہ ہیں کہ جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا قبلہ بنالیا ہے، شرع میں آسانی اختیار کرلی ہے، بادشاہوں اور ظالموں کی پرستش شروع کردی ہے، اوران کی بارگاہوں کو اپنی طواف گاہ بنالیا ہے، جاہ وحشمت کو اپنی محراب بنالیا ہے، مشکل کلام میں مشغول ہوکر ائمہ اور اساتذہ کرام پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور بزرگان دین کو سخن ساز کہتے ہیں۔

(۲) مختصر احیاء العلوم برحاشیہ نزہۃ الناظرین۔ طبعہ مصر۔ ص ۱۱

ترجمہ: حصول دنیا کے لئے تعلیم وتعلم کرنا ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

(۳) نزہۃ الناظرین طبعہ مصر۔ ص ۶

ترجمہ: عالم کو چاہئے کہ اپنے علم سے دنیا کی کوئی غرض حاصل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جو آخرت کا طالب ہے ہم اس کی طلب میں اضافہ کریں گے، اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہے ہم اس کا بعض حصہ عطا کرتے ہیں .... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں جو آدمی دنیا کی کسی غرض کے لئے علم حاصل کرتا ہے وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی زندگی تعلیم، تبلیغ، تصنیف اور فتویٰ نویسی میں گذری مگر کیا مجال کہ ان امور پر معاوضہ کی طلب کا تصور بھی پیدا ہوا ہو۔ دور دراز کے مقامات سے آنے والے استفتاء میں بعض اوقات یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ فیس کیا ہوگی؟ یہ بات آپ کے لئے نہایت شاق ہوتی۔ بارہا لکھا کہ یہاں امورِ دینیہ کی تکمیل کے لئے کوئی فیس یا معاوضہ نہیں لیا جائے گا۔ خالصۃً لِلّٰہ یہ کام سرانجام دیئے جائیں گے۔

۱۶ صفر المظفر ۱۳۳۷ھ / نومبر ۱۹۱۸ء کے ایک استفتاء میں فیس کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا اسے ملاحظہ فرمایئے:

"یہاں بحمد اللہ تعالیٰ فتوے پر کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہندوستان و دیگر ممالک مثلاً چین، افریقہ و امریکہ و خود عرب شریف و عراق سے استفتاء آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہو جاتے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ حضرت جدِ امجد قدس سرہ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے، اکانوے برس...... اور خود فقیر غفرلہ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے بعونہ تعالیٰ اکاون برس ہونے کو آئے ہیں۔ یعنی اس صفر کی ۱۴ تاریخ کو پچاس برس چھ مہینے گزرے۔ اس نو کم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے۔ بارہ مجلدات تو صرف اس فقیر کے فتاویٰ کی ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہاں کبھی ایک پیسہ نہیں لیا گیا، نہ لیا جائے گا۔ بعونہ تعالیٰ و لہ الحمد۔ معلوم نہیں کون سے ایسے لوگ ایسے پست فطرت و دنی ہمت ہیں، جنہوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے۔ جس کے باعث دُور دُور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ بھائیو!

مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

ترجمہ: میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو سارے جہانوں کے پروردگار پر ہے۔ اگر وہ چاہے۔" (۴)

آپ نے اپنے تمام متوسلین اور وابستگان کو یہ نصیحت کر رکھی ہے۔

"تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دستِ سوال دراز کرنا تو درکنار اشاعتِ دین و حمایتِ سنت میں جلبِ منفعت کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصۃً لوجہ اللہ ہو"۔ (۵)

---

(۴) فتاویٰ رضویہ، جلد سوم، ص ۲۳۰

نوٹ: امام احمد رضا قدس سرہ کی جائیداد غیر منقولہ مکان اور زمین کے علاوہ منقولہ جائیداد نہ تھی۔ سخاوت کی وجہ سے تنگ دستی بھی آجاتی۔ ایسے حالات میں ایسی بے نفسی سے خدماتِ دینیہ کی سرانجام دہی...... اللہ اللہ کتنا وقار ہے۔ للٰہیت کی اس سے بڑھ کر اور کون سے مثال ہو سکتی ہے۔

(۵) الرضا بریلی شمارہ ربیع الآخر و جمادی الاول ۱۳۳۸ھ ص ۹

تعلیم اور جلب منفعت

برصغیر میں مسلمانوں کے ہزار سالہ اقتدار کے زوال اور غیر ملکی تسلط وتغلب نے یہاں کے لوگوں کو کئی حیثیتوں سے متاثر کیا۔ مسلمانوں کی معاشرت بدلی، معیشت کمزور ہوگئی، اس دور میں چند مصلحین نے مسلمانوں کی عزت کی بحالی اور معیشت کو سہارا دینے کے لئے جدید تعلیم کا حصول لازمی قرار دیا۔ انگریزی طرزِ تعلیم کی درسگاہوں سے طلبہ فارغ ہو کر دفتروں میں ملازمت کرنے لگے، لوگ سمجھے مقصد حاصل ہوگیا۔ مگر تھوڑے عرصہ بعد ہی تعلیم مسلمانوں میں معاشی اضطراب پیدا کرنے کا سبب بنی۔ معاشی فارغ البالی کا جو خواب سرسید اور ان کے رفقاء نے دیکھا تھا پورا نہ ہوا۔ مولوی محمد احمد خاں نے اس ساری صورت حال کو یوں بیان کیا ہے۔

> ''کچھ عرصہ تک تو یہ حالت رہی کہ تعلیمِ جدید نے مسلمانوں پر رزق کے دروازے کھول دیئے، اونچے اور متوسط طبقوں کی معاشی حالت سدھرنے لگی۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے طبقوں میں بھی جدید تعلیم بہت تیزی سے پھیلنے لگی۔ اس کا اثر تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ معاشی فارغ البالی اور اقتصادی خوش حالی عام ہو جاتی...... لیکن اس کے برعکس جلد ہی ایک عجیب وغریب صورت حال نمودار ہوئی۔ انگریزوں کے جاری کردہ نظام تعلیم کا مقصد اصل تو یہ تھا کہ برطانوی نظم ونسق کو چلانے کے لئے بابوؤں کی ایک بڑی تعداد تیار کی جائے۔ اس لئے جدید تعلیمی نظام میں سائنسی وفنی تعلیم پر کم اور لبرل وادبی تعلیم پر زیادہ زور دیا گیا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر سال چھوٹے بڑے بابوؤں کی ایک کھیپ کی

کھیپ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلنے لگی۔ ادھر سرکاری ملازمتوں کی تعداد بہرحال محدود تھی۔ آزاد پیشوں میں بھی کچھ بہت زیادہ گنجائش نہ تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ علم کی ان جدید فیکٹریوں سے ہر سال جو "مال" کثیر تعداد میں نکلنے لگا تھا اس کی کھپت "بازار" میں نہیں ہو سکتی تھی۔ یوں جو مال بکنے اور کام آنے سے بچا رہا وہ "بے کار" ہو گیا۔ اس طرح چند ہی سال میں تعلیم یافتہ بے روزگاروں کا ایک عجیب و غریب طبقہ وجود میں آ گیا۔ اس طبقہ کا حال یہ تھا کہ تعلیم جدید نے اس کی فکر و نظر کے زاویوں کو بدل دیا تھا۔ آزادی و حریت، قومی خودداری و غیرت کا احساس تقریباً مردہ ہو چکا تھا اور اس کی جگہ اپنی ہمہ دانی، بے جا غرور و تعلیٰ نے لے لی تھی۔ دماغ میں تو یہ ہوا بھری تھی مگر جیب خالی تھی۔ اقبال نے اس طبقے کو مخاطب کر کے کہا۔

نوا از سینہء مرغِ چمن برد زخون لالہ آں سوزِ کہن برد
بایں مکتب بایں دانش چہ نازی کہ ناں در کف نداد و جان زتن برد(۱)

حصولِ علم برائے دولت .... کتنا خوبصورت پروگرام ہے؟...... مگر کیا ایسا ممکن ہے کہ قومی سطح پر اس کے فوائد مرتب ہوں؟...... قوموں کی حیات میں چند شخصیات کی مثالیں پیش کرنا کسی طرح روا نہیں ہوتا۔

مشہور ماہر تعلیم ہربرٹ سپنسر نے بھی اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ معاشی حالات کو سدھارنے اور معاشی خوش حالی کے لئے تعلیم حاصل کی جائے۔ یعنی حصولِ تعلیم بغرضِ معاشی خوش حالی اس کو بھی پسند نہیں۔ وہ لکھتا ہے۔

(۱) اقبال اور مسئلہ تعلیم مصنفہ محمد احمد خاں۔ مطبوعہ اقبال اکادمی لاہور (۱۹۷۸ء) ص ۴۳،۷۴۷

''ہم کو اُس کی قدر و قیمت پر اصرار کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو حصولِ معاش کو آسان کر دینے کی وجہ سے ''بالواسطہ حفاظت نفس'' میں مدد دیتا ہے۔ اس کو سب تسلیم کرتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ عوام الناس شاید اسی علم کو حد سے زیادہ تعلیم کی غرض سمجھتے ہیں۔ مگر جب کہ ہر شخص اس مسئلہ کو کہ ''جو تعلیم نوجوانوں کو زندگی کے کاروبار کے لائق بناتی ہے، وہ بہت ضروری بلکہ سب سے زیادہ ضروری ہے۔'' مجملاً تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔ شاید ہی کوئی شخص دریافت کرتا ہو کہ کون سی تعلیم ان کو اس قابل بنا سکتی ہے؟ یہ سچ ہے کہ لکھنے، پڑھنے اور حساب کے فوائد کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر بچوں کو ان مضمونوں کی تعلیم دی جاتی ہے مگر تقریباً ان ہی تینوں مضمونوں سے جن کا ہم نے نام لیا ہے، اس تعلیم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ان کے سوا علم کا بڑا ذخیرہ جو حاصل کیا جاتا ہے اس کو صنعت و حرفت کے کاموں سے کچھ تعلق نہیں ہوتا اور بہت سا علم جو صنعت و حرفت کے کاموں سے براہِ راست تعلق رکھتا ہے، اس سے قطع نظر کی جاتی ہے۔''(۲)

سپنسر کے نزدیک اگر چند علوم کو اس لئے حاصل کیا جائے کہ معاشی خوش حالی ہو تو اس کا ایک اور زبردست نقصان ہوگا۔ وہ یہ کہ انسان اپنی محدود غرض کو پورا کرنے کے علاوہ مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول سے محروم رہے گا۔ گویا دولت کی حرص علمی ترقی کو روک دے گی۔

خواجہ غلام الحسین برصغیر کے باشندوں کے لئے سائنس اور صنعت و حرفت کی تعلیم

(۲) فلسفہ تعلیم، مصنفہ ہربرٹ سپنسر، مترجمہ خواجہ غلام الحسین پانی پتی، مطبوعہ آگرہ (۱۹۰۶ء) ص ۲۷

کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ہمارے ہم وطنوں نے تعلیم کا بڑا مقصد یہ سمجھ رکھا ہے کہ بی۔اے، یا ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کر کے سرکاری نوکری حاصل کرلیں۔اول تو نوکری ہی غلامی ہے۔(۳) دوسرے اس کا دائرہ اس نسبت سے روز بروز تنگ ہوتا جاتا ہے جس نسبت سے تعلیم یافتوں کی تعداد میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔پس ضرور ہے کہ اس بھیڑ چال کو روکا جائے۔میری اس رائے سے کسی کو اختلاف نہ ہوگا کہ موجودہ تعلیم ملک میں مفلسوں کی تعداد میں ترقی دے رہی ہے۔''(۴)

---

(۳)　حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خلفِ اکبر امام امام احمد رضا قدس سرہما نے برصغیر کے مسلمانوں کی معاشرتی ناگفتہ بہ حالت کو بہتر بنانے کے لئے ۱۹۲۵ء میں آل انڈیا کانفرنس، منعقدہ مراد آباد میں چند تجاویز کا ذکر اپنے خطبہ صدارت میں کیا ہے۔اس میں ملازمت کی حوصلہ شکنی کی ہے اور صنعتی تعلیم اور تجارت پر زور دیا ہے۔ملازمت کا حال یوں بیان فرماتے ہیں۔

ہمارا ذریعہ معاش صرف نوکری اور غلامی ہے، اور اس کی بھی یہ حالت ہے کہ ہندو نواب مسلمانوں کو ملازم رکھنے سے پرہیز کرتے ہیں۔رہیں گورنمنٹی ملازمتیں ان کا حصول طول امل ہے۔اگر رات دن کی تگ و دو اور ان تھک کوششوں سے کوئی معقول سفارش بھی پہنچی تو کہیں امیدواروں میں نام درج ہونے کی نوبت آتی ہے۔برسوں بعد جگہ ملنے کی امید پر روزانہ خدمت مفت انجام دیا کرو۔اگر بہت بلند ہمت ہوئے اور قرض پر بسر اوقات کر کے برسوں بعد کوئی ملازمت حاصل کر بھی لی تو اس وقت تک قرض کا اتنا بار ہو جاتا ہے جس کو ملازمت کی آمدنی سے ادا نہیں کر سکتے۔.................. ہمیں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہماری روزی نوکری میں منحصر ہے، ہمیں حرفے اور پیشے سیکھنا چاہئیں.................. اعلیٰ اہل کار ادنی فروگذاشت پر برخواست ہو کر نان شبینہ کا محتاج ہو جاتا ہے...... اب اس کی تمام قابلیتیں ہیچ ہیں۔سندیں بیکار ہیں۔زندگی وبال ہے، اولاد کی تربیت اس ناداری میں کیونکر ہو سکے؟ خود تباہ اور نسل برباد۔لیکن اگر پیشہ ور ہوتا، ہاتھ میں کوئی ہنر رکھتا، تو اس طرح محتاج نہ ہو جاتا۔نوکری گئی بلا سے اس کا ذریعہ معاش اسے کے ساتھ ہوتا، ہمیں نوکری کا خیال ہی چھوڑ دینا چاہئے۔نوکری کسی قوم کو معراج ترقی تک نہیں پہنچا سکتی۔دستکاری اور پیشے اور ہنر سے تعلق پیدا کرنا چاہئے..................'' (خطبہ صدارت ۱۹۲۵ء مولانا حامد رضا بریلوی، مطبوعہ بریلی۔مشمولہ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس مطبوعہ گجرات (۱۹۷۸ء) ص ۱۷۸، ۱۸۹)

(۴)　فلسفہ تعلیم، مطبوعہ آگرہ (۱۹۰۶ء) ص ۸۶

ماہرین تعلیم نے تعلیم برائے حصولِ زر کو معاشرتی نکتہ سے بیان کیا ہے، مگر اسی نظریہ کو امام احمد رضا قدس سرہ نے خالص مذہبی و دینی اعتبار سے دیکھا اور بیان کیا ہے۔

آپ کے نزدیک حصولِ تعلیم کا مقصد و مدعا خدا شناسی و خدارسی ہے۔ آپ کی نظر میں تعلیم کی افادیت اسی وقت مسلم ہوگی جب اس سے کوئی شرعی مقصود حاصل ہونا مقصود ہو۔ اگر حصولِ تعلیم کا مدعا اور غرض و غایت صرف یہ ہو کہ حصولِ زر کا ذریعہ بنالوں تو آپ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس بارے میں آپ کا نظریہ ہے کہ کسی محمود شرعی غرض کے لئے علم حاصل کرو۔ رزق علم میں نہیں۔ وہ تو رزاقِ مطلق کے پاس ہے۔ وہ خود بندوں کا کفیل ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے اس نظریہ کو سمجھنے کے لئے آپ کی درج ذیل نگارشات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) درحدیث مصطفیٰ ﷺ آمدہ است "**مَنْ اَکَلَ بِالْعِلْمِ طَمَسَ اللّٰہُ عَلٰی وَجْھِہٖ وَرَدَّہٗ عَلٰی عَقِبَیْہِ وَکَانَتِ النَّارُ اَوْلٰی بِہٖ**" یعنی ہر کہ علم را ذریعہ جلب مال نماید حق عز و جل روئے او را مسخ فرماید و او را بر ہر دو پاشنہء اش باز گرداند و آتش دوزخ باو سزا وارتر باشد۔" (۴)

امام احمد رضا قدس سرہ نے ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں ایک تحریر دبدبہ سکندری میں شائع فرمائی، اسی تحریر کو صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی نے اپنے مؤقر جریدہ السواد الاعظم میں ۱۳۳۹ھ دوبارہ شائع کیا۔ اس تحریر میں مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کے لئے چار

(۴) فتاویٰ رضویہ۔ جلد دہم۔ ص ۲۲

ترجمہ: حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے علم کو جلب مال کا ذریعہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو مسخ فرما دیتا ہے۔ اس کو اس کی ایڑیوں پر پھیر دیتا ہے اور آگ اس کے لئے بہت لائق ہے۔

تدابیر تجویز کی گئیں۔ انہیں تجاویز کا خلاصہ امام احمد رضا قدس سرہ کے ایک مکتوب محررہ ۱۳۳۹ھ/ بنام الحاج لعل خاں صاحب کلکتہ میں ہے۔ ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں۔

(ب) چہارم تعلیم کا حال ناگفتہ بہ ہے۔ انٹرنیس پاس کو رزّاقِ مطلق سمجھا ہے۔ وہاں نوکری میں عمر کی شرط، پاس کی شرط، پھر پڑھائی وہ مفید کہ عمر بھر کام نہ آئے۔ نہ اس نوکری میں اس کی حاجت پڑے...... اپنی ابتدائی عمر کہ تعلیم کا زمانہ ہے یوں گنوائی، اب پاس ہونے میں جھگڑا ہے۔ تین تین بار فیل ہوتے ہیں اور پھر لپٹے چلے جاتے ہیں اور قسمت کی خوبی کہ مسلمان ہی اکثر فیل کئے جاتے ہیں۔ پھر تقدیر سے پاس بھی مل گیا تو اب نوکری کا پتہ نہیں اور ملی بھی تو صریح ذلت کی، اور رفتہ رفتہ دنیاوی عزت بھی پالی تو عندالشرع ہزار ذلت۔ کہئے پھر علم دین سیکھنے اور دین حاصل کرنے اور نیک و بد میں تمیز کرنے کا وقت کون سا آئے گا؟ لاجرم نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کو مضحکہ سمجھتے ہیں۔ اپنے باپ دادا کو جنگلی وحشی، بے تمیز، گنوار، نالائق، بیہودہ، احمق بے خرد جاننے لگتے ہیں۔ بغرض غلط اگر ترقی بھی ہوئی تو نہ ہونے سے کروڑ درجے بدتر ہوئی۔ کیا تم علم دین سے غفلتیں ترک کرو گے؟ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ'' (۵)

(ج) امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے والد ماجد مولانا محمد نقی علی خاں علیہ الرحمۃ (م ۳۰/ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) کی تصانیف کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا، ان میں سے بعض مسودات کو خود ترتیب دیا۔ بعض کتابوں کی تشریح کی، اپنے والد ماجد کی تصانیف کا تذکرہ بارہا محبت آمیز انداز میں فرمایا، اور ان پر اعتماد فرمایا۔ آپ کے والد ماجد فرماتے ہیں..........

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۶) احیاء العلوم میں روایت کرتے ہیں۔

(۵) مکتوب امام احمد رضا محررہ صفر ۱۳۳۹ھ بنام الحاج لعل خاں صاحب، مشمولہ حیات صدر الافاضل مولفہ سید غلام معین الدین نعیمی۔ مطبوعہ لاہور۔ بار دوم، ص ۱۶۱

(۶) امام غزالی علیہ الرحمۃ کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں، ایسے علماء سے علم حاصل کرو جو طالب آخرت ہو نہ، کہ طالب دنیا۔ (اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت، مطبوعہ نولکشور ۱۸۹۰ء ص ۶۵)

مَنْ تَفَقَّهَ فِيْ دِيْنِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ كَفَاهُ اللهُ تَعَالٰى مَااَهَمَّهُ وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَايَحْتَسِبُ

جو شخص دینِ خدا میں دانائی حاصل کرتا ہے۔ خدائے تعالیٰ جل شانہٗ اس کو اس چیز سے کہ غمگین کرے، کفایت کرتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے، کہ نہیں جانتا، رزق پہنچاتا ہے۔ (۷)

(د) امام احمد رضا قدس سرہ کی معاشی حالت قابل رشک نہ تھی۔ سوائے زمین کے قطعہ کے اور کوئی جائداد غیر منقولہ نہ تھی، اور نہ کوئی معقول آمدن۔ نہ کسی نواب یا حاکم کی طرف سے وظیفہ۔ لیکن علمی وقار، فقیہانہ شان اور بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ کسی دنیا دار کی مدح کر کے مال دنیا ملنے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ کسی نے کہا کہ ریاست نان پارہ کے نواب کا قصیدہ لکھیں وہ بہت انعام سے نوازے گا۔ اس کے جواب میں آپ نے نواب کی بجائے شہنشاہ دو عالم ﷺ کی نعت اقدس لکھی اور مقطع میں اس کارروائی کی طرف اشارہ فرمایا۔

کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارہ ناں نہیں (۸)

---

(۷) رسالہ فی فضل العلم والعلماء، مصنفہ مولانا نقی علی خاں۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۱۰
(۸) حدائق بخشش حصہ اول

نظریہ روحانیت

برصغیر میں اسلام صوفی علماء کی کوششوں سے پھیلا اور جب بھی اسلام پر ابتلاء عام کا دور آیا، انہی صوفیاء نے بڑھ کر اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری، سلطان الاولیاء حضور داتا گنج بخش علی ہجویری، مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی، محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دوسرے علماء نے تصوف کی شیریں مقالی سے اعلائے کلمۃ الحق، تجدید واحیائے دین اور اصلاح احوال کا فریضہ سرانجام دیا۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے عہد میں دیگر فنون کے علاوہ تصوف سے برگشتہ کرنے کی مذموم سازش کی جارہی تھی۔ کچھ جاہل متصوف غیر شرعی حرکات کو تصوف کا نام دے رہے تھے۔ اکابر اسلاف کی اتباع میں آپ نے مسلمانوں کے روحانی امراض کے علاج کے لئے تصوف کا مجرب عمل دہرایا۔ خود جلیل القدر مشائخ عظام سے سلاسل طریقت کی اجازتیں حاصل کیں اور علماء ومشائخِ اخلاف کو ان اجازات سے نوازا۔ اگرچہ مفتی کا کام صرف جسمانی احکام سے متعلقین جواز وعدم جواز کا حکم جاری کرنا ہوتا ہے مگر امام احمد رضا نے افتاء کی ذمہ داریوں کے ساتھ تصوف کی تعلیم کو بھی رائج کیا۔

(۱) آپ نے علوم نافعہ کثیرہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے تصوف کو بھی ان علوم نافعہ میں شمار فرمایا۔ فرماتے ہیں۔

”اوران کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ علوم جو آدمی کو اس کے دین میں نافع ہوں خواہ اصـــالۃً فقہ وحدیث وتصوف بے تخلیط وتفسیر قرآن بے افراط وتفریط، خواہ

وساطۃً مثلاً نحو وصرف ومعانی وبیان کہ فی حد ذاتہا امر دینی نہیں مگر فہم قرآن وحدیث کے لئے وسیلہ ہیں۔"(۱)

(ب) تصوف کے بارے میں اکثر لوگ افراط وتفریط میں پڑ کر جادۂ حق سے ہٹ گئے۔ کچھ انکار کر بیٹھے اور کچھ غلو ومبالغہ میں پڑ گئے۔ مگر امام احمد رضا قدس سرہ تصوف بے تخلیط کے مؤید وعامل ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

"شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع..... شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا..... طریقت کی جدائی شریعت سے محال ودشوار ہے..... شریعت پر ہی طریقت کا دارومدار ہے..... شریعت ہی اصل کار اور محک ومعیار ہے...... شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے..... اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور جا پڑے گا..... طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت مطہرہ ہی کے اتباع کا صدقہ ہے..... جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی اور زندقہ ہے۔"(۲)

(ج) عام حالات میں صوفیاء کرام مخلوق سے منقطع رہتے ہیں۔ انہیں سوائے یاد خدا کے اور کسی سے غرض نہیں ہوتی۔ مگر جب مسلمانوں پر کوئی افتاد عام آپڑے تو وہ مصلّٰی وتسبیح کو الگ کر کے میدان عمل میں آجاتے ہیں اور اس ابتلاءِ عام کا مقابلہ کرتے ہیں۔

دینِ الٰہی کی شکل میں مسلمانوں پر افتاد پڑی۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اس کے خلاف سینہ سپر ہو گئے..... امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کے دور میں فتنۂ خلق قرآن اٹھا۔ آپ نے

(۱) فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص ۱۶

(۲) مقال العرفاء، مصنفہ امام احمد رضا۔

اپنی عزیز جان بھی اس راہ میں صرف فرمادی......امام احمد رضا قدس سرہ اپنے دور کے بلند مرتبت صوفیہ میں شمار ہوتے ہیں مگر آپ کی عملی زندگی اعتزالی وانحرافی تحریکات کے رد میں گذری، فلاسفہ، زنادقہ، فرقِ باطلہ ....سب کے خلاف علم جہاد بلند کیا، اور بالآخر کامیاب ہوئے۔

صوفیاء کے مجاہدات اور خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

''اس کے لئے یہی خدمات (حمایت مذہب حقہ اور ردِّ فرق باطلہ) مجاہدات ہیں، بلکہ اگر نیت صالحہ ہو تو ان مجاہدوں سے اعلیٰ۔ امام ابو اسحٰق اسفرائنی کو جب مبتدعین کی بدعات کی اطلاع ہوئی، پہاڑوں پر ان اکابر علماء کے پاس تشریف لے گئے جو ترک دینا ومافیہا کر کے مجاہدات میں مصروف تھے۔ ان سے فرمایا۔

يَاأَكَلَةَ الْحَشِيْشِ اَنْتُمْ هٰهُنَا وَاُمَّةُ مُحَمَّدٍ ﷺ فِي الْفِتَنِ

اے سوکھی گھاس کھانے والو!! تم یہاں ہو اور امت محمد ﷺ فتنوں میں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ امام یہ آپ ہی کا کام ہے ہم سے نہیں ہوسکتا۔ وہاں سے واپس آئے اور مبتدعین کے رد میں نہریں بہائیں۔'' (۳)

(د) امام احمد رضا قدس سرہ کی عادت مبارکہ یہ تھی بعد نماز عصر مجلس عام میں تشریف رکھتے، لوگ اپنی مشکلات پیش کر کے حل طلب کرتے۔ اس مجلس میں دیگر موضوعات کے علاوہ تصوف پر بھی گفتگو فرماتے۔ اس گفتگو کو آپ کے خلف اصغر مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے تین جلدوں میں الملفوظ کے نام سے جمع فرمایا ہے۔ الملفوظ میں بہت سے ایسے ملفوظات ملتے ہیں جن میں تصوف کی تعلیم دی گئی ہے۔

(۳) الملفوظ، مولفہ مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا بریلوی، جلد اول مطبوعہ کراچی، ص ۱۰۹

چند ایک کلمات ملاحظہ ہوں۔

(۱) علم باطن کے بارے میں ملفوظ

''حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار سفر کیا اور وہ علم لایا جسے خواص وعوام سب نے قبول کیا۔ دوبارہ سفر کیا اور وہ علم لایا جو خواص وعوام کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ یہاں سفر سے سیر اقدام مراد نہیں بلکہ سیر قلب ہے۔ ان کے علوم کی حالت تو یہ ہے اور ادنی درجہ ان سے اعتقاد ان پر اعتماد و تسلیم ارشاد، جو سمجھ میں آیا فبہا۔ ورنہ ''کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ' 'حضرت شیخ اکبر اور اکابر فن نے فرمایا کہ ادنیٰ درجہ علم باطن کا یہ ہے اس کے عالموں کی تصدیق کرے کہ اگر نہ جانتا تو ان کی تصدیق نہ کرتا۔ (۴)

(۲) فنافی الشیخ کے مرتبہ کے حصول کے بارے میں فرمایا۔

''یہ خیال رکھے کہ میرا شیخ میرے سامنے ہے اور اپنے قلب کو اس کے قلب کے نیچے تصور کر کے اس طرح سمجھے کہ سرکار رسالت سے فیوض وانوار قلب شیخ پر فائض ہوتے اور اس سے چھلک کر میرے دل میں آرہے ہیں، پھر کچھ عرصہ بعد یہ حالت ہو گی کہ شجر وحجر و در و دیوار پر شیخ کی صورت صاف نظر آئے گی............(۵)

(۳) صوفیاء کے ہاں ملامت ایک محبوب ومطلوب شے ہے۔ اسی بنا پر صوفیاء کا ایک گروہ ملامتی کہلایا۔ اس بارے میں ارشاد فرمایا۔

''ایک صاحب ولایت نے حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ العزیز کی بارگاہ میں حاضری کا

---

(۴) الملفوظ۔ حصہ اول۔ ص ۸.....۹

(۵) الملفوظ۔ حصہ دوم۔ ص ۴۸

منزلِ دور دراز سے قصد فرمایا۔ راہ میں جس سے حضرت محبوب الٰہی صاحب کا حال دریافت فرمایا لوگ تعریف ہی کرتے، انہوں نے اپنے دل میں کہا میری محنت ضائع ہوئی کہ اگر حق پر ہوتے تو لوگ ضرور ان کے بدگو ہوتے۔ جب دہلی کے قریب ہی انہوں نے لوگوں سے پوچھا، اب مذمتیں سنیں کوئی کہتا وہ دہلی کا مکار ہے، کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ کہتا۔ انہوں نے کہا الحمدللہ میری محنت وصول ہوئی۔"(۶)

اسی طرح صوفیاءِ کرام کی اصطلاحات بیعت، جذب، وجد کی تعلیم صوفیہ کی طرز پر فرمائی۔(۷)

(ہ) تصوف کی غرض وغایت یہ ہے کہ تزکیہ نفس، تصفیہ قلب ہو، اخلاقِ حسنہ پیدا ہوں، دل میں عوائقِ دنیوی راہ نہ پائیں۔ ذکرِ الٰہی پر دوام نصیب ہو، جادۂ شریعت پر استقامت حاصل ہو۔ ان اغراضِ محمودہ کے لئے مسلمانوں کو گذشتہ تعلیم کے ہر دور میں تصوف و اخلاق کی تعلیم دی جاتی رہی۔ مولوی ابوالحسنات ندوی اس حقیقت کو ایک مصنف کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

"اس کے بعد تزکیہ نفس وتصفیہ اخلاق کی ضرورت پڑتی ہے یعنی فن اخلاق کا مرتبہ آتا ہے، چنانچہ اس کے لئے لکھتا ہے۔

وبرائے تزکیہ نفس وتصفیہ اخلاق، اخلاق ناصری، اخلاق جلالی، مکاتباتِ سید شاہ شرف الدین احمد یحیٰ منیری، نزہۃ الارواح، مثنوی مولوی معنوی، حدیقہ

(۶) الملفوظ۔ حصہ دوم۔ ص ۳

(۷) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الملفوظ حصہ دوم۔ ص ۶۷، ۸۳، ۸۴

حکیم اسناء بمطالعہ درآورد'' (۸)

(و) مقاصد تصوف کی تبلیغ و تعلیم اور ترویج و اشاعت کے لئے امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے مختلف تصانیف فرمائیں۔ چند ایک کے نام یہ ہیں۔

۱ اَلْاِهْلَالُ بِفَیْضِ الْاَوْلِیَاءِ بَعْدَالْوِصَالِ
۲ اَنْهَارُالْاَنْوَارِمِنْ یَمِّ صَلٰوةِ الْاَسْرَارِ
۳ اَزْهَارُالْاَنْوَارِمِنْ ضِیَاءِ صَلٰوةِ الْاَسْرَارِ
۴ طَوَالِعُ النُّوْرِفِیْ حُکْمِ السِّرَاجِ عَلَی الْقُبُوْرِ
۵ مجید معظم شرح قصیدہ اکسیر اعظم
۶ حاشیہ احیاء علوم الدین
۷ اَلزَّمْزَمَةُالْقَمْرِیَّةِ فِی الذَّبِّ عَنِ الْخَمْرِیَّةِ
۸ حاشیہ بهجة الاسرار
۹ اَلْفَوْزُبِالْآمَالِ فِی الْاَوْفَاقِ وَالْاَعْمَالِ
۱۰ سَلْطَنَةُ الْمُصْطَفٰی فِی الْمَلَکُوْتِ کُلِّ الْوَرٰی
۱۱ اِسْمَاعُ الْاَرْبَعِیْنَ فِیْ شَفَاعَةِ سَیِّدِالْمُرْسَلِیْنَ
۱۲ اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِیْنَةِ لِعُلَمَاءِ بَکَّةَ وَالْمَدِیْنَةِ
۱۳ کشکول فقیر قادری
۱۴ وظیفہ قادریہ
۱۵ مقال العرفا......وغیرہ

---

(۸) ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، مصنفہ مولوی ابوالحسنات ندوی، مطبوعہ اعظم گڑھ۔ ص ۱۲۹

(ز) امام احمد رضا قدس سرہ ہر سال بالالتزام اپنے شیخ طریقت حضرت سید آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہ کا عرس خود منعقد کرتے اور اس میں تبلیغ وارشاد وتلقین احکام فرماتے۔

تعلیم کی غرض وغایت اطمینان قلب اور یقین کی دولت کا پانا ہے۔ موجودہ تعلیمی ادارے اس غرض کو پورا کرنے سے عاری وقاصر رہے ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ کے نظریہ کے مطابق اگر تصوف واخلاق کی تعلیم کو درسگاہوں کی تعلیم کا جزو بنا دیا جائے تو دولت یقین کا پانا ممکن اور آسان ہو جائے گا۔

نظریہ شعروادب

امام احمد رضا قدس سرہ کے نزدیک شعر وادب کی بنیاد سچائی پر ہو۔کذب، دروغ گوئی اور مبالغہ آمیزی سے پاک ہو۔ادب زندگی کا عکاس ہو۔

آپ نے جو ادب پیش کیا،اس کی تاثیر برصغیر سے باہر دیگر ممالک میں بھی سنی جاسکتی ہے۔آپ اردو شاعری میں مولانا کفایت علی کافی شہید جہاد آزادی،اور برادرِ خورد مولانا حسن رضا کا کلام سنتے تھے۔ایک دفعہ فرمایا یہ دونوں شاعر سچے تھے،جھوٹی شاعری کو وقت کا ضیاع وزیاں سمجھ کر اس سے دور بھاگتے۔

آپ کی شاعری کا محور نعت ومنقبت ہے۔ظاہر ہے اس سے شاعر لوگ اصل مقام سے ہٹ جاتے ہیں۔نعت گوئی میں آپ کا مسلک سمجھنے کے لئے درج ذیل سطور کا مطالعہ فرمائیں۔

(ا) ''حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ نہایت آسان سمجھتے ہیں۔اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔غرض حمد میں ایک جانب اصلا حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔''(ا)

(ب) بعض جاہلوں کا خیال یہ ہے شعر کی تنگ زمین میں نعت گوئی کے وقت پابندی شرع

(ا) الملفوظ،مولفہ مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا بریلوی۔مطبوعہ کراچی۔ص ۴۳

ممکن نہیں۔ آپ نے اس دعویٰ کی تکذیب کی۔ خود اپنا دیوان اس معیار پر پیش کیا۔ پاس شرع اور نعت گوئی کا اجتماع آپ کے ہاں دیکھا جا سکتا ہے۔ خود فرماتے ہیں۔

جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے

لا اسے پیشِ جلوۂ زمزمۂ رضاؔ کہ یوں ! ! (۲)

(ج) آپ کی نعت گوئی قرآن سے مستنبط ہے۔ فرماتے ہیں۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ (۳)

(د) شاعری اگر آداب شریعت سے ہٹ جائے تو مذموم ہے۔ ایسے مبالغہ آمیز اور دروغ گو بے لگام شعراء کے بارے میں قرآن کا فیصلہ سنیئے۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ

گمراہ لوگ بے ادب شاعروں کی اتباع کرتے ہیں۔

ہاں اگر شاعری کو آداب شریعت کا پابند کر دیا جائے تو وہی محمود و مستحسن ہے۔ اس بارے میں آپ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

''اشعار حسنہ محمودہ کا پڑھنا جن میں حمدِ الٰہی جل وعلا ونعت رسالت پناہی ﷺ ومنقبت آل واصحاب وعلمائے دین ﷺ بروجہ صحیح ونجیح مقبول شرعی یا ذکر موت وتذکیر آخرت واہوال قیامت وغیر ذلک مقاصد شرعیہ ہوں قطعاً جائز وروا۔'' (۴)

---

(۲) حدائق بخشش حصہ اول (۳) حدائق بخشش حصہ اول

(۴) فتاویٰ رضویہ جلد دہم۔ ص ۱۷۱

(ہ) امام احمد رضا قدس سرہ نے نعت گوئی میں الفاظ کے انتخاب کے لئے متقدمین ومتاخرین علماء کرام کی نگارشات کو معیار بنایا ہے۔چنانچہ ایک مقام پر لفظ ”شہنشاہ“ کا استعمال فرمایا۔کسی نے اعتراض کیا یہ نعت میں روا نہیں۔اس کے لئے ایک مستقل تصنیف ”فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ “فرمائی۔

اسی طرح قصیدہ معراجیہ میں دلہا اور دلہن کا لفظ حضور اکرم ﷺ اور بیت اللہ کے لئے استعمال فرمایا۔معترض کے جواب میں ایک رسالہ

”حَجبُ الْعَوَارِعَنْ مَخْدُوْمِ بِھَارْ“

کے نام سے قلم بند فرمایا۔جس میں علماء کی نگارشات کے حوالہ سے ان کا جواز واضح فرمایا۔

(و) امام احمد رضا قدس سرہ نے خود کہنے کے علاوہ دوسرے شعراء کے مشکل اشعار کی بھی تشریح کی ہے۔حضرت سید شاہ نور عالم میاں مارہروی نے ایک خط میں مرزا سودا کے درج ذیل شعر کی تشریح طلب کی۔

ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹے شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

اس شعر کی تشریح میں قرآنی آیات واحادیث پر مشتمل ایک تحریر سائل کو روانہ فرمائی۔(۵)

(ز) امام احمد رضا قدس سرہ کا دور مسلمانوں کی غلامی کا دور تھا۔دور غلامی میں شعر وادب میں غلامانہ اثرات در آتے ہیں۔علامہ شبلی کی ایک نظم ملاحظہ ہو،آپ کو محسوس ہوگا کہ نئے آقا کی تعریف اور اپنی اسلامی روایات سے انحراف کی عجیب مثال ہے۔

(۵) الملفوظ۔حصہ اول۔ص ۴۱

نوٹ: مذکورہ شعر کی تشریح اتنی بلند پایہ کی ہے کہ وہ وہم شاعر میں بھی نہ گذری ہوگی۔فقیر قادری عفی عنہ

سیارے ہیں اب نئی چمک کے وہ ٹھاٹھ بدل گئے فلک کے
اب صورت ملک ودیں نئی ہے افلاک نئے زمیں نئی ہے
سب بھول گئے ہیں ما سبق کو گردوں نے الٹ دیا ورق کو
قائم وہ جو انجمن نہیں ہے اس نقد کا اب چلن نہیں ہے
القصہ یہ بات تھی تسلیم یعنی کہ علوم نو کی تعلیم
تدبیر شفا جو ہے تو یہ ہے اس دکھ کی دوا جو ہے تو یہ ہے
تقدیم کہن سے ہاتھ اٹھائیں تہذیب کے دائرے میں آئیں
سیکھیں وہ مطالبِ نو آئیں یورپ میں جو ہو رہے ہیں تلقین
وہ گنج گراں دانش فن وہ فلسفہ جدید بیکن
کپلر کی وہ نکتہ آفرینی نیوٹن کے مسائل یقینی (۶)

مگر اس دور میں مسلمانوں کو روحانی طور پر مرکز ایمان مدینہ کی طرف متوجہ کر کے امام احمد رضا نے ملت اسلامیہ کی کشتی کو تلاطم خیز موجوں سے بچالیا۔ آپ کے کلام کی گونج پاک و ہند کے علاوہ خود حرمین شریفین میں سنی جاسکتی ہے۔ ذرا بے ساختی ملاحظہ ہو۔

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

---

(۶) المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ۔ مصنفہ امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور۔ ص ۹۳، ۹۴

نوٹ: نئی تہذیب جو درحقیقت ''تخریب'' تھی کو ''تہذیب'' کہنا...... مسائل ظنیہ عقلیہ کو یقینی بتانا...... علوم و تہذیب جدید کو ہر مرض کی دوا بتانا...... یہ سب مرعوبیت کے دور کی کرامات ہیں۔ فقیر قادری عفی عنہ

نظریہ ابتدائی تعلیم

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اس کے ماں باپ تربیت کر کے اس کو یہودی یا نصرانی وغیرہ بنا لیتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ بچپن میں ذہن کی تربیت ہی بچے کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ابتدائی عمر میں بچے کو وہ تعلیم دی جائے جس سے وہ صحیح معنوں میں مفید مسلمان بن سکے۔ (۱)

---

(۱) ابتدائی تعلیم کیا ہے؟ اس کی اہمیت سے متعلق برصغیر کے علماء و مشائخ اہل سنت کا نمائندہ اجلاس آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس نے جو فیصلہ کیا، وہ ملاحظہ ہوں۔

(i) ''ہر مقام کی سنی کانفرنس کے اراکین کی ایک جماعت اور جہاں سنی کانفرنس قائم نہ ہوئی ہو، وہاں کے منتخب افراد امام مسجد یا کسی بااثر شخص کی راہنمائی میں ابتدائی تعلیم کو لازمی و ضروری قرار دینے پر مسلمانوں کو مجبور کریں اور ہر ہر گھر کے بچوں اور بچیوں کی تعلیم کی نگرانی رکھیں۔ ابتدائی تعلیم سے مراد حرف شناسی سکھانا، عبارت خوانی بتانا اور ابتداہی سے ایمانیات ضبط کرانا اور اوامر و نواہی کی ترغیب و ترہیب اور نبی کریم ﷺ اور مشہور انبیاء کے مختصر معجزات اور حالات سے باخبر کرنا۔ یہ ابتدائی تعلیم میں داخل ہے۔'' ....

(ii) ''کوشش کی جائے کہ مسلمانوں کے ہر بچہ کو معتد بہ اردو، فارسی ضرور پڑھا دی جائے۔ تا کہ وہ اردو اور فارسی کتابوں کو دیکھ کر مطلب حل کر سکے اور جو علوم کی کتابیں اردو، فارسی زبان میں ہیں ان سے فائدہ حاصل کر سکے۔''

(iii) ''عربی تعلیم کے لئے تین حصے مقرر کئے جائیں، ایک ان لوگوں کے لئے جو بہت کم وقت تعلیم کے لئے دے سکتے ہیں، ایک ان کے لئے جو علوم و فنون میں تکمیل چاہتے ہیں۔ اور ایک متوسطین کے لئے۔''

یہ وہی تجاویز ہیں جو حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا نے ۱۹۲۵ء کے خطبہ صدارت میں پیش کیں۔

تجاویز منظور کردہ آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ بنارس۔ ۲۷ اپریل ۱۹۴۶ء مشمولہ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مرتبہ محمد جلال الدین قادری۔ مطبوعہ گجرات (۱۹۷۸ء) ص ۲۸۱......۲۸۲

ابتدائی تعلیم کے بارے میں امام احمد رضا قدس سرہ کا نظریہ نہایت مکمل اور واضح ہے۔

فرماتے ہیں۔

"..........زبان کھلتے ہی اللہ اللہ، پھر پورا کلمہ لاالــــــــہ الا اللہ سکھائے۔ جب تمیز آئے آداب سکھائے۔ کھانے، پینے، ہنسنے، بولنے، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے، حیا، لحاظ، بزرگوں کی تعظیم، ماں باپ استاد اور دختر کو شوہر کی بھی اطاعت کے طرق وآداب بتائے۔ قرآن مجید پڑھائے......استاذ نیک، صالح، متقی، صحیح العقیدہ، سن رسیدہ کے سپرد کرے اور دختر کو نیک پارسا عورت سے پڑھوائے۔ بعد ختم قرآن ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔ عقائدِ اسلام وسنت سکھائے کہ لوح سادہ فطرت اسلامی وقبول حق پر مخلوق ہے۔ اس وقت کا بتایا پتھر کی لکیر ہوگا۔

حضور اقدس رحمت عالم ﷺ کی محبت وتعظیم ان کے دل میں ڈالے کہ اصل ایمان و عین ایمان ہے۔ حضور پرنور ﷺ کے آل واصحاب واولیاء وعلماء کی محبت وعظمت تعلیم کرے کہ اصل سنت وزیور ایمان بلکہ باعث بقائے ایمان ہے۔ سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کردے۔ علم دین خصوصاً وضو، غسل، نماز، روزہ کے مسائل، توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیا، سلامت صدر ولسان وغیرہا خوبیوں کے فضائل.........حرص وطمع، حب دنیا، حب جاہ، ریا، عُجب، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہا برائیوں کے رذائل پڑھائے۔

پڑھانے سکھانے میں رفق ونرمی ملحوظ رکھے۔ موقع پر چشم نمائی تنبیہ، تہدید کرے، مگر ہرگز کوسنا نہ دے کہ اس کا کوسنا ان کے لئے سبب اصلاح نہ ہوگا، بلکہ اور زیادہ

فساد کا اندیشہ ہے۔ مارے تو منہ پر نہ مارے۔ اکثر اوقات تہدید وتخویف پر قانع رہے۔ کوڑا قمچی اس کے پیش نظر رکھے کہ دل میں رعب رہے۔ زمانہ تعلیم میں ایک وقت کھیلنے کا بھی دے کہ طبیعت نشاط پر باقی رہے مگر زنہار زنہار بری صحبت میں نہ بیٹھنے دے کہ یارِ بد مارِ بد سے بدتر ہے..............."(۲)

ابتدائی تعلیم سے متعلق امام احمد رضا قدس سرہ کے نظریات اس قدر واضح ہیں کہ مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔ امام موصوف یہ چاہتے ہیں کہ بچہ بڑا ہو کر زندگی کے جس شعبہ میں داخل ہونا چاہے داخل ہو جائے۔ جو آئندہ کرنا چاہے کرے، مگر بنیادی طور پر مسلمان رہے۔ اس کے دل میں اسلام کی عظمت جاگزیں ہو۔ اسی لئے وہ ابتدائی عمر میں اسلامی تعلیم پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔

(۲) فتاویٰ رضویہ۔ جلد دہم۔ ص ۴۶............۴۷

نظریہ تعلیم نسواں

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز عورتوں کی تعلیم کے نہ صرف حامی ہیں بلکہ ان کے نزدیک عورتوں کی تعلیم لازمی ہے۔مگر موجودہ بے راہ رو تعلیم کے سخت مخالف ہیں۔ان کے نزدیک عورتوں کو بنیادی مذہبی تعلیم دی جائے۔طہارت، عبادات اور معاملات کی تعلیم دی جائے مگر تعلیم کا ماحول نہایت پاکیزہ اور مستور ہونا چاہئے۔ان کی تعلیم کے لئے اعلیٰ کردار کی حامل عورت اساتذہ کا انتخاب کیا جائے۔انہیں امور خانہ داری کی تربیت دی جائے اور عورتوں سے متعلقہ مخصوص مسائل کی تعلیم دی جائے۔

چونکہ امام احمد رضا قدس سرہ ایک فقیہ ہیں اس لئے وہ عورتوں کے پردہ کے سختی سے پابندی کے قائل ہیں۔اس حیثیت سے مخلوط تعلیم کا تصور ان کے ہاں گناہِ کبیرہ ہے۔عورتوں کی تعلیم کے بارے میں آپ کے نظریات معلوم کرنے کے لئے ذیل کی عبارات کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۱) "حدیث "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ" کہ بوجہ کثرت طرق وتعدد مخارج حدیث حسن ہے۔اس کا صریح مفاد ہر مسلمان مرد وعورت پر طلب علم کی فرضیت۔تو یہ صادق نہ آئے گا مگر اس علم پر جس کا تعلم فرض عین ہو۔"(۱)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ۔جلد دہم۔ص ۱۶

نوٹ: حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خلف امام احمد رضا قدس سرہما فرماتے ہیں۔

"لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام بھی نہایت ضروری ہے اور اس میں دینیات کے علاوہ سوزن کاری اور معمولی خانہ داری کی تعلیم تا بحد امکان لازمی ہے۔پردہ کا خاص اہتمام کرنا چاہئے"

خطبہ صدارت، آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ مراد آباد (۱۹۲۵ء) مشمولہ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس۔ص ۱۴۸

(ب) باپ پر جو فرائض اولاد کی تعلیم سے متعلق ہیں، ان کی توضیح کے درمیان لڑکیوں کی مفید تعلیم و تربیت کا حکم دیا۔

"...........اسے سینا، پرونا، کاتنا، کھانا پکانا سکھائے، سورۃ نور کی تعلیم دے لکھنا ہرگز نہ سکھائے کہ احتمال فتنہ ہے۔" (۲)

(ج) طالبات کی تعلیم کے لئے ان عورت اساتذہ کا تقرر کیا جائے جو کردار کے اعتبار سے اعلیٰ معیار کی حامل ہوں۔ اساتذہ کی صحبت و تربیت سے کسے انکار ہے۔ جس قسم کی صحبت و تربیت میسر آئے گی وہی اثرات طلباء و طالبات میں پیدا ہوں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ متقی اساتذہ کا انتخاب کیا جائے۔ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں۔

"اور دختر کو نیک پارسا عورت سے پڑھوائے۔" (۳)

(د) اگر کوئی ایسا مرحلہ آجائے کہ عورت اساتذہ دستیاب نہ ہوں، مرد اساتذہ سے تعلیم دلوانی پڑے، تو اس صورت میں فرض ہے کہ طالبات پردے میں رہیں۔ اس صورت کے

(۲) فتاویٰ رضویہ جلد دہم۔ ص ۴۷

نوٹ: جدید تعلیم میں مفید اور غیر مفید علموں میں امتیاز نہیں کیا جاتا، صرف رواج کو دیکھا جاتا ہے۔ اس سے طبعی صلاحیتوں کے ضیاع کے ساتھ ساتھ قومی سطح پر جو مفید تعلیم کا نقصان ہو رہا ہے اس کا احساس ہر ذی ہوش کر سکتا ہے۔ لیکن عورتوں کے معاملہ میں بھی لوگ اس سے غافل ہیں۔ صرف نمائشی تعلیم پر اکتفا کر لی جاتی ہے۔ معروف ماہر تعلیم ہربرٹ سپنسر عورتوں کی نمائشی تعلیم کے خلاف یوں لکھتا ہیں۔

"یہ مماثلت عورتوں کی تعلیم میں اور بھی زیادہ صراحت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ جسمانی اور عقلی دونوں قسم کی تربیت کے لحاظ سے مردوں کی نسبت عورتوں میں آرائش کا عنصر زیادہ غالب رہا ہے.................. علی ہذا القیاس عورتوں کی تعلیم میں جو تعلیم ہنرمندی اور خوش سلیقگی کے نام سے موسوم کی جاتی ہے اس کو حد تک فوقیت دی گئی ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نام و نمود کی خواہش فائدہ کے خیال پر غالب آ گئی ہے۔.........." (فلسفہ تعلیم مطبوعہ آگرہ۔ ص ۴۔ ۵)

(۳) فتاویٰ رضویہ۔ جلد دہم۔ ص ۴۶

متعلق آپ کے ارشادات سنئے۔

''رہا پردہ اس میں استاد وغیر استاد، عالم وغیر عالم، پیر سب برابر ہیں۔ نو برس سے کم کی لڑکی کو پردہ کی حاجت نہیں اور جب وہ پندرہ برس کی ہو سب غیر محارم سے پردہ واجب۔ اور نو سے پندرہ تک اگر آثار بلوغت ظاہر ہوں تو واجب اور نہ ظاہر ہوں تو مستحب۔ خصوصاً بارہ برس کے بعد بہت مؤکدہ کہ یہ زمانہ قرب بلوغ وکمال اشتہا کا ہے۔ وَمَنْ لَّمْ يَعْرِفْ اَهْلَ زَمَانِهٖ فَهُوَ جَاهِلٌ (۴)

سرسید کو بجا طور جدید تعلیم کا محرک وداعی سمجھا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ لڑکیوں کے لئے جدید تعلیم کو نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ مسلمان طالبات قدیم طرز کی اسلامی تعلیم چھوڑ کر نئی مغرب زدہ تعلیم میں مشغول ہوں۔ ۱۸۸۴ء میں گورداسپور کے مقام پر انہوں نے خواتین پنجاب کے اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

''اے میری بہنو! میں اپنی قوم کی خاتونوں کی تعلیم سے بے پرواہ نہیں ہوں۔ میں دل میں ان کی ترقیِ تعلیم کا خواہاں ہوں۔ مجھ کو جہاں تک مخالفت ہے، اس طریقۂ تعلیم سے ہے، جس کے اختیار کرنے پر اس زمانہ کے کوتاہ اندیش مائل ہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنا پرانا طریقۂ تعلیم اختیار کرنے کی کوشش کرو، وہی طریقۂ تعلیم تمہارے دین ودنیا میں بھلائی کا پھل دے گا اور کانٹوں میں پڑنے سے محفوظ رکھے گا.......... میری خواہش یہ نہیں ہے کہ تم ان

(۴) فتاویٰ رضویہ۔ جلد دہم۔ ص ۹۷

نوٹ: علی گڑھ یونیورسٹی میں جب مخلوط تعلیم کو جاری کیا گیا تو اس وقت متدین علماء نے اس کی سخت مخالفت کی۔ اس مخالفت میں امام احمد رضا قدس سرہ کے خلیفہ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی سرفہرست ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ ماہنامہ السواد الاعظم، مراد آباد۔ جلد ۵، شمارہ ۷۔ ص ۴

مقدس کتابوں کے بدلے جو تمہاری دادیاں، نانیاں پڑھتی آئی ہیں، اس زمانہ کی مروجہ نامبارک کتابوں کا پڑھنا اختیار کرو، جو اس زمانہ میں پھیلتی جاتی ہیں۔ مردوں کو، جو تمہارے لئے روٹی کما کر لانے والے ہیں، زمانہ کی ضرورت کے مناسب کچھ ہی علم یا کوئی سی زبان سیکھنے اور کیسی ہی نئی چال چلنے کی ضرورت پیش آئی ہو، مگر ان تبدیلیوں سے جو ضرورت تعلیم کے متعلق تم کو پہلے تھی، اس میں کچھ تبدیلی نہیں ہوئی۔ تمہارا فرض ہے کہ تم اپنے ایمان اور اسلام سے واقف ہو۔ اس کی نیکی اور خدا کی عبادت کی خوبی کو تم جانو۔ اخلاق میں نیکی اور نیک دلی، رحم و محبت کی قدر سمجھو اور ان سب باتوں کو برتاؤ میں لاؤ۔ گھر کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھو، اپنے گھر کی مالک رہو، اس پر مثل شہزادی کے حکومت کرو اور مثل ایک لائق وزیرزادی کے منتظم رہو۔ اپنی اولاد کی پرورش کرو، اپنی لڑکیوں کو تعلیم دے کر اپنا سا بناؤ۔ خدا ترسی، خدا پرستی، ہمسائیوں کے ساتھ ہمدردی اپنا طریقہ رکھو۔ یہ تمام سچی تعلیم نہایت عمدگی سے ان کتابوں سے حاصل ہوتی ہے جو تمہاری دادیاں، نانیاں پڑھتی تھیں۔ جیسی وہ اس زمانہ میں مفید تھیں ویسی ہی اس زمانہ میں مفید ہیں۔ پس اس زمانہ کی نامفید اور نامبارک کتابوں کی تم کو کیا ضرورت ہے؟" (۵)

سرسید سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار علامہ اقبال نے بھی اپنے اشعار میں کیا۔ اکبر الہ آبادی کے ظریفانہ انداز میں فرماتے ہیں۔

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی	ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِّنظر!!	وضع مشرقی کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین	پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

(۵) حیات جاوید، مصنفہ الطاف حسین حالی۔ مطبوعہ دہلی (۱۹۳۹ء) ص ۳۱۶.....۳۱۷

تعلیم نسواں کے بارے میں ضرب کلیم کے ایک قطعہ سے اقبال کا نظریہ تعلیم، جو عورتوں سے متعلق ہے، پیش خدمت ہے۔

تہذیب فرنگی ہے، اگر مرگ امومت — ہے حضرتِ انسان کے لئے اس کا ثمر موت

جس علم کی تاثیر سے ''زن'' ہوتی ہے ''نازن'' — کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت

بے گانہ رہے ''دیں'' سے اگر مدرسۂ زن — ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

ان اشعار میں تعلیم نسواں کے بارے میں اقبال دو نظریئے پیش کرتے ہیں۔

۱ مدرسۂ زن دین سے بے گانہ نہ رہے۔

۲ عورت کو ایسی تعلیم نہ دی جائے جس سے وہ ''زن'' بننے کی بجائے ''نازن'' بن جائے۔

(ہ) عورتوں کی تعلیم کی فرضیت کے قائل ہونے کے باوجود امام احمد رضا قدس سرہ کتابتِ زنان کے مخالف ہیں۔ اس کے لئے وہ احادیث صحیحہ اور تجارب عدیدہ کو بطور شاہد پیش کرتے ہیں۔ کتابتِ زنان کا مسئلہ اگرچہ علماء میں مختلف فیہ ہے مگر آپ کا موقف یہ ہے۔

مارہرہ مطہرہ سے سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب نے ۳/ربیع الاول ۱۳۱۶ھ کو ایک استفتاء ارسال کیا، جس میں استدعا کی گئی کہ عورتوں کی کتابت کے بارے میں اپنے نظریات سے مطلع فرمائیں۔ جواب میں فرمایا۔

''عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعاً ممنوع و سنت نصاریٰ و فتح باب ہزاراں فتنہ اور مستان سرشار کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے، جس کے مفاسد شدیدہ پر تجارب عدیدہ شاہد عدل ہیں۔ متعدد حدیثیں اس سے ممانعت میں وارد ہیں۔ جن میں بعض کی سند عند التحقیق خود قوی ہے اور اصل متن حدیث کے معروف و

محفوظ ہونے کا امام بیہقی نے اعادہ فرمایا اور پھر تعدد طرق دوسری قوت ہے اور عمل امت وقبول علماء تیسری قوت اور محل احتیاط وسد فتنہ چوتھی قوت تو حدیث لَاقَــلَّ حَسَــن ہے اور ممانعت میں اس کا نص صریح ہونا خود روشن ہے......

.........یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ اگلے زمانے کی دو چار بیبیوں کے حال فعل سے استناد کا یہاں کوئی محل نہیں پہلے تو عموماً عورات کو حکم تھا کہ پنجگانہ مسجدوں میں حاضر ہوں۔ پردہ نشینیں اگر چہ حالت حیض میں ہوں کہ نماز پڑھ بھی نہیں سکتیں، محض شرکتِ برکت کے لئے عید گاہوں کو ضرور جائیں اور اب یہ احکام کیوں نہ رہے؟؟ حضرت ام المؤمنین حفصہ تو ام المومنین ہیں رضی اللہ تعالی عنہا آج فقیہ فاطمہ سمرقندیہ بنت امام علاء الدین رحمہما اللہ تعالی کے مثل کون سی بی بی ہے؟؟ بلکہ بعد تلاش وتفحص صرف معدودنساء کی کتابت کا پتا چلنا ہی بتادیتا ہے کہ سلفاً خلفاً علماء وعامہ مومنین کا عمل اس کے ترک ہی پر رہا ہے۔

مرد ہر زمانے میں لاکھوں کاتب ہوئے اور عورتیں تیرہ سو برس میں معدود۔ پر ظاہر کتابت ایک عظیم نافع چیز ہے، اگر کتابت نساء میں حرج نہ ہوتا، جمہور امت سلف سے آج تک اس کے ترک پر کیوں اتفاق کرتی ؟ بالجملہ سبیل سلامت اسی میں ہے۔

لہٰذا ان اجلہ علماء کرام امام حافظ الحدیث ابوموسیٰ......امام علامہ تورپشتی...... وامام ابن الاثیر جزری......وعلامہ طیبی......وامام جلال الدین سیوطی...... وعلامہ طاہر فتنی و......شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم نے اسی

طرف میل فرمایا۔ وہ ہر طرح ہم سے اعلم تھے۔ اب جو اجازت کی طرف جائے یا حال زمانہ سے غافل ہے یا امت مرحومہ کی خیر خواہی سے عاطل.................. اس حدیث میں علت نہی کتابت کی طرف اشارہ ہے کہ عورت لکھنا سیکھ کر خود بھی فاسد غرضوں کی طرف راہ پائے گی۔ اور فاسقوں کو بھی اس تک رسائی کا بڑا موقع مل جائے گا، جو لکھنا نہ جاننے کی حالت میں نہ ملتا، کہ آدمی وہ بات لکھ سکتا ہے، جو کسی کی زبانی نہ کہلا سکے گا۔ نیز خط ایلچی سے زیادہ پوشیدہ ہے، تو اس میں حیلہ ومکر کو بہت جلد راہ ملے گی۔ لہٰذا عورت لکھنا سیکھ کر صیقل کی ہوئی تلوار ہو جاتی ہے، انتہی۔

ہندی مثل نے بھی اس مضمون کی طرف اشارہ کیا۔

اے لوری کوئی دیت ہے متوازن ہتھیار.................. (۵)"

---

(۵) فتاوی رضویہ۔ جلد دہم۔ ص ۱۵۴ ... ۱۵۸۔

نوٹ۔ احادیث کی عبارت اور علمی بحثیں جو عربی میں ہیں ہم نے نقل نہ کیں۔ ان کا تعلق علماء سے ہے۔

غیر ملکی امداد اور تعلیم

تعلیم کو عام اور سہل بنانے کے لئے اور ہر فرد متنفس کو حصول تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کے لئے بعض اوقات مسلمانوں کے اپنے مالی وسائل نا کافی ہو جاتے ہیں۔ایسی صورت میں بغرضِ تعلیم غیر مسلموں سے مالی امداد لینا پڑتی ہے۔امام احمد رضا قدس سرہ کے نزدیک غیر مسلموں کی ایسی امداد قبول کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

۱ امداد، مخالف شرع کاموں کے لئے نہ ہو۔

۲ مخالف شرع کاموں کی ترغیب کے لئے نہ ہو۔

۳ امداد کو کسی قومی مفاد پر ترجیح نہ دی جائے۔

برصغیر میں انگریزی دورِ اقتدار میں مسلمان اپنی تعلیم کے لئے غیر مسلم حکومت (انگریزوں) سے امداد لیتے رہے۔بہت سے مدارس اسی امداد پر چلتے تھے۔اس نظریہ کے مشروط جواز کو آپ نے اس طرح بیان فرمایا۔

"تعلیم دین کے لئے گورنمنٹ (انگریزوں) سے امداد قبول کرنا جو نہ مخالف شرع سے مشروط ہو، نہ اس کی طرف مجبر ہو، تو یہ نفع بے غائلہ ہے جس کی تحریم پر شرع مطہر سے اصلاً کوئی دلیل نہیں۔" (۱)

ایک دوسرے سوال کے جواب میں فرمایا۔

"جو مدارس ہر طرح سے خالص اسلامی ہوں اور ان میں وہابیت نیچریت وغیرہما کا دخل نہ ہو ان کا جاری رکھنا موجب اجرِ عظیم ہے۔ایسے مدارس کے لئے گورنمنٹ اگر اپنے پاس سے امداد کرتی، لینا جائز تھا نہ کہ جب وہ امداد بھی رعایا ہی کے مال سے ہے۔" (۲)

(۱) المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ۔ مصنفہ امام احمد رضا۔ مشمولہ رسائل رضویہ جلد دوم، ص ۹۷

(۲) المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ۔ مصنفہ امام احمد رضا۔ مشمولہ رسائل رضویہ جلد دوم، ص ۹۲

کتاب اور تعلیم

اس عنوان میں کتاب کی دو حیثیتوں کا تعین مقصود ہے۔

۱ ذریعہ تعلیم میں کتاب کا حصہ

۲ تعلیم میں کیسی کتاب ہونی ضروری ہے۔

(۱) امام احمد رضا قدس سرہ کے نزدیک کتاب تعلیم کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی ذرائع تعلیم ہیں۔ مثلاً وعظ، خطبہ، تبلیغ وارشاد وغیرہ۔

کسی نے عرض کیا کہ کتب بینی ہی سے علم حاصل ہوتا ہے۔

جواب میں فرمایا۔

"یہی کافی نہیں بلکہ علم افواہ رجال سے بھی حاصل ہوتا ہے۔" (۱)

(۲) تعلیم میں کونسی کتاب معتبر ہوگی؟............ ایک سوال کے جواب میں آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

"کتاب کا چھپ جانا اسے متواتر نہیں کر دیتا کہ چھاپے کی اصل وہ نسخہ ہے جو کسی الماری سے ملا، اس سے نقل کر کے کاپی ہوئی۔ سیدھی صاف باتوں میں کسی کتاب سے کہ ظنی طور پر کسی بزرگ کی طرف منسوب ہو، استناد اور بات ہے اور ایسے امر میں جسے مسند نے کلمہ کفر بنایا اور اس سے توہینِ شانِ رسالت کے جواز پر سند لایا، اس پر اعتماد اور بات۔ علماء کے نزدیک ادنیٰ درجہ ثبوت یہ ہے کہ ناقل کے لئے مصنف تک سند مسلسل متصل بذریعہ ثقات ہو۔" (۲)

---

(۱) الملفوظ، مصنفہ مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا۔ جلد اول۔ ص ۹

(۲) حجب العوار عن مخدوم بہار۔ مصنفہ امام احمد رضا۔ مطبوعہ لاہور۔ ص ۵

"آخر قرارداد اس پر ہوا کہ اعتماد اس پر ہے جو ایسی مشہور و معتمد کتابوں میں ہو جن کی شہرت کے سبب ان میں تغیر و تحریف سے امان ہو۔" (۳)

۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں پنجاب یونیورسٹی کے ایم۔اے عربی کورس میں ڈاکٹر نکلسن کی کتاب تاریخ عربی ادب اور بی۔اے کے اسلامی تاریخ کے نصاب میں جرمنی کے پروفیسر ڈاکٹر وائلز کی ہسٹری آف دی اسلامک پیپلز داخل تھیں۔ان کتابوں میں حضور پرنور ﷺ کی شان اقدس میں نہایت بدتمیزی کے کلمات استعمال کئے گئے تھے۔مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔احتجاج کرنے والوں میں امام احمد رضا قدس سرہ کے خلیفہ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی سرِ فہرست ہیں۔آپ نے اپنے رسالہ السواد الاعظم میں ایک طویل احتجاجی نوٹ لکھا۔جس میں لکھا۔

"اگر یہ سچ ہے تو جن لوگوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے ان کتابوں کا ترجمہ کیا یا ان کو یونیورسٹی کے کورس میں داخل کرنے کی سفارش کی وہ اسلام کے بدترین دشمن اور ناپاک دل انسان ہیں۔اور تمام دنیا کی لعنت و نفرت کے مستحق ...... نیز گورنمنٹ سے پرزور مطالبہ کیا جائے کہ وہ ان کتابوں کی اشاعت کو ایک دم روک دے اور اس کے تمام نسخوں کو ضبط کرے اور یونیورسٹی کے نصاب سے خارج کردے۔جب تک ایسا نہ ہو مسلمان یونیورسٹی سے قطع تعلق کردیں۔" (۴)

ایسی کتابیں جن میں خلاف شرع مضامین ہوں، معظمان بارگاہ خداوندی کی اہانت ہو۔کسی بدترین کافر و فاسق کی تعریف ہو کی تعلیم کسی طرح بھی روا نہیں۔

---

(۳) حجب العوار عن مخدوم بهار۔مصنفہ امام احمد رضا۔مطبوعہ لاہور۔ص ۷

(۴) السواد الاعظم مراد آباد۔جلد ۷، نمبر ۱۰، ماہ صفر ۱۳۵۰ھ ص ۹...... ۱۱

ذریعہ تعلیم

تعلیم کے موضوع میں ذریعہ تعلیم ایک اہم تصفیہ طلب امر ہے۔ذریعہ تعلیم غلط رائج پانے سے اکثر طلباء اعلیٰ تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں۔قومی صلاحیتیں اجاگر نہیں ہوسکتیں۔اجنبی زبان میں تعلیم یا مشکل انداز میں تعلیم۔دونوں صورتیں طالب علم کی علمی ترقی میں حائل ہوتی ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ کا اس بارے میں نظریہ یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم ہر شخص کو اس کی اپنی مادری یا علاقائی زبان میں دی جائے۔اعلیٰ تعلیم کے لئے مشکل یا غیر ملکی زبان استعمال کی جاسکتی ہے۔اس نظریہ پر آپ کا پورا فتاویٰ شاہد عادل ہے کہ جس شخص نے جس زبان میں استفتاء پیش کیا اسی زبان میں اس کا جواب دیا۔اردو،فارسی،عربی،حتیٰ کہ انگریزی زبان میں آئے ہوئے استفتاء کو انہی کی زبانوں میں جواب دیا۔یہاں تک کہ اگر ایک شخص نثر کی نسبت نظم سے زیادہ دلچسپی یا مہارت رکھتا ہے تو اس کا جواب بھی نظم میں دیا۔

گذشتہ صفحات میں یہ بات گذر چکی ہے کہ آپ کے پاس اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک امریکہ،افریقہ،چین،عرب،عراق وغیرہ سے بھی استفتاء آتے۔یقیناً ان میں اکثر یا بعض ان کی اپنی زبانوں میں ہوتے ہوں گے۔آپ نے ان کا جواب انہی زبانوں کے ماہرین سے دلوایا۔چند انگریزی میں لکھے فتاویٰ کا ذکر گذر چکا ہے...... ہاں علمی مسائل اور تحقیقی مضامین کے لئے ضروری ہے کہ انہیں خالص علمی و تحقیقی انداز میں تعلیم کیا جائے۔جواب فتاویٰ میں خالص علمی ابحاث کو آپ نے عربی یا فارسی میں بیان فرمایا ہے،ان کا تعلق محققین سے ہے۔عوام الناس کے لئے نفس مسئلہ سمجھ لینا کافی ہے۔

تعلیم اور غیر متعلقہ امور

تعلیم کو مفید اور معیاری بنانے کے لئے ضروری ہے کہ دوران تعلیم غیر مفید اور غیر متعلقہ امور سے بچتا رہے۔ غیر متعلقہ امور میں پڑنا امام احمد رضا قدس سرہ کے نزدیک وقت کا زیاں ہے۔ نیز ایسے آدمی کو تعلیم دینا جو خواہ مخواہ تعصب کی آگ کو دل میں رکھتا ہو، بے سود ہے۔

جناب امیر علی رضوی نے موضع سرنیاں ضلع بریلی سے ایک استفتاء پیش کیا۔ کہ فلاں فلاں آپ کے طریق کار، اوقاتِ نماز اور دیگر امور پر معترض ہیں۔ ان کی تسلی کے لئے کیا کیا جائے۔ آپ نے جواب میں لکھا۔

"اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا.

یونہی ہم نے ہر نبی کے دشمن کردیئے آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ ان میں سے ایک دوسرے کے دل میں جھوٹی بات ڈالتا ہے، دھوکے کی۔

جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یہ برتاؤ رہا تو ان کے ادنیٰ غلام کیوں اپنے آقایان کرام کے ترکہ سے محروم رہیں؟؟ جائے ہزاراں ہزار شکر ہے کہ ہم نالائقوں کو اپنے کریموں کے ترکہ سے حصہ ملے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ. جاہلوں سے منہ پھیرلو۔

اور فرماتا ہے کہ جاہلوں کے جواب میں یوں کہو۔

لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ جاہلوں کے منہ لگنا ہم نہیں چاہتے۔

نہ کہ وہ حضرات جاہل بھی ہوں اور کذاب بھی اور مفتری بے حجاب بھی، اور مانند متعصب مآب بھی۔ ایسوں کے لئے یہ مناسب ہے کہ ''ذَرْهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ'' انہیں چھوڑ دو اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

ان تمام مسائل کے روشن بیان ہمارے فتاویٰ میں موجود ہیں مگر متعصب معاند کو علم دینا بے سود اور کذب وافتراء کا علاج مفقود .... سائل کو ہدایت کی جاتی ہے کہ کسی کی ایسی بیہودہ باتیں پیش نہ کرے۔''(۱)

☆☆☆

(۱) فتاویٰ رضویہ۔ جلد دوم۔ ص ۲۳۱

ماخذ و مراجع

الکشف شافیا فی حکم فونو جرافیا امام احمد رضا

المحجة المؤتمنة فی آیة الممتحنة امام احمد رضا

الکلمة الملهمة امام احمد رضا

بریق المنار بشموع المزار امام احمد رضا

تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون امام احمد رضا

الاجازات المتینیة لعلماء بکة والمدینة امام احمد رضا

حجب العوار عن مخدوم بہار امام احمد رضا

حسام الحرمین امام احمد رضا

زھرة الصلاة من شجرة ائمة الھداة امام احمد رضا

فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللّٰہ امام احمد رضا

نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان امام احمد رضا

مقال العرفا امام احمد رضا

احکام شریعت امام احمد رضا

حدائق بخشش امام احمد رضا

فتاوی رضویہ امام احمد رضا

کشکول فقیر قادری امام احمد رضا

رسالہ فی فضل العلم والعلماء مولانا محمد نقی علی خاں

الملفوظ	محمد مصطفیٰ رضا
الجزء اللطیف	شاہ ولی اللہ
الطاف القدس فی معرفة لطائف القدس	شاہ ولی اللہ
انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ
خاتمہ تاویل الاحادیث	شاہ ولی اللہ
مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم	امام غزالی
اکسیر ہدایت (ترجمہ)	امام غزالی
مختصر احیاء العلوم	امام غزالی
کشف المحجوب فارسی	داتا گنج بخش سید علی ہجویری
چودھویں صدی کے مجدد	مولانا محمد ظفر الدین بہاری
حیات اعلیٰ حضرت	مولانا ظفر الدین بہاری
بانگ درا	علامہ اقبال
جاوید نامہ	علامہ اقبال
رموز بیخودی	علامہ اقبال
مثنوی مسافر	علامہ اقبال
اقبال اور مسئلہ تعلیم	محمد احمد خاں
اقبال نامہ	شیخ عطاء اللہ
اکرام امام احمد رضا	پروفیسر محمد مسعود احمد
حیات مولانا احمد رضا بریلوی	پروفیسر محمد مسعود احمد
گناہ بے گناہی	پروفیسر محمد مسعو احمد
فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں	پروفیسر محمد مسعود احمد

خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس	محمد جلال الدین قادری
حیات صدر الافاضل	سید غلام معین الدین نعیمی
شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان	حکیم محمود احمد برکاتی
حیات جاوید	الطاف حسین حالی
تعلیم کا مسئلہ اور اس کا حل	ڈاکٹر برہان احمد فاروقی
تذکرہ محدث سورتی	خواجہ رضی حیدر
جمہوریت اور تعلیم	سید محمد تقی
مجموعہ وصایا اربعہ	پروفیسر محمد ایوب قادری
المیزان بمبئی	امام احمد رضا نمبر
تاریخ روہیل کھنڈ مع تاریخ بریلی	مولوی عبدالعزیز خاں بریلوی
فلسفہ تعلیم	ہربرٹ سپنسر (ترجمہ غلام الحسنین پانی پتی)
مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم	شبلی نعمانی
ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں	مولوی ابوالحسنات ندوی
الرضا بریلی، ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ	
تعلیم کی نظریاتی اساس	
نزہۃ الناظرین	
سالانہ رپورٹ ندوۃ العلماء ۱۳۱۲ھ	
السواد الاعظم مرادآباد جلد ۲، نمبر ۱	
السواد الاعظم مرادآباد جلد ۵، نمبر ۷	
السواد الاعظم مرادآباد جلد ۵، نمبر ۱۰	
ماہنامہ فاران کراچی ۔ جون ۱۹۶۵ء	